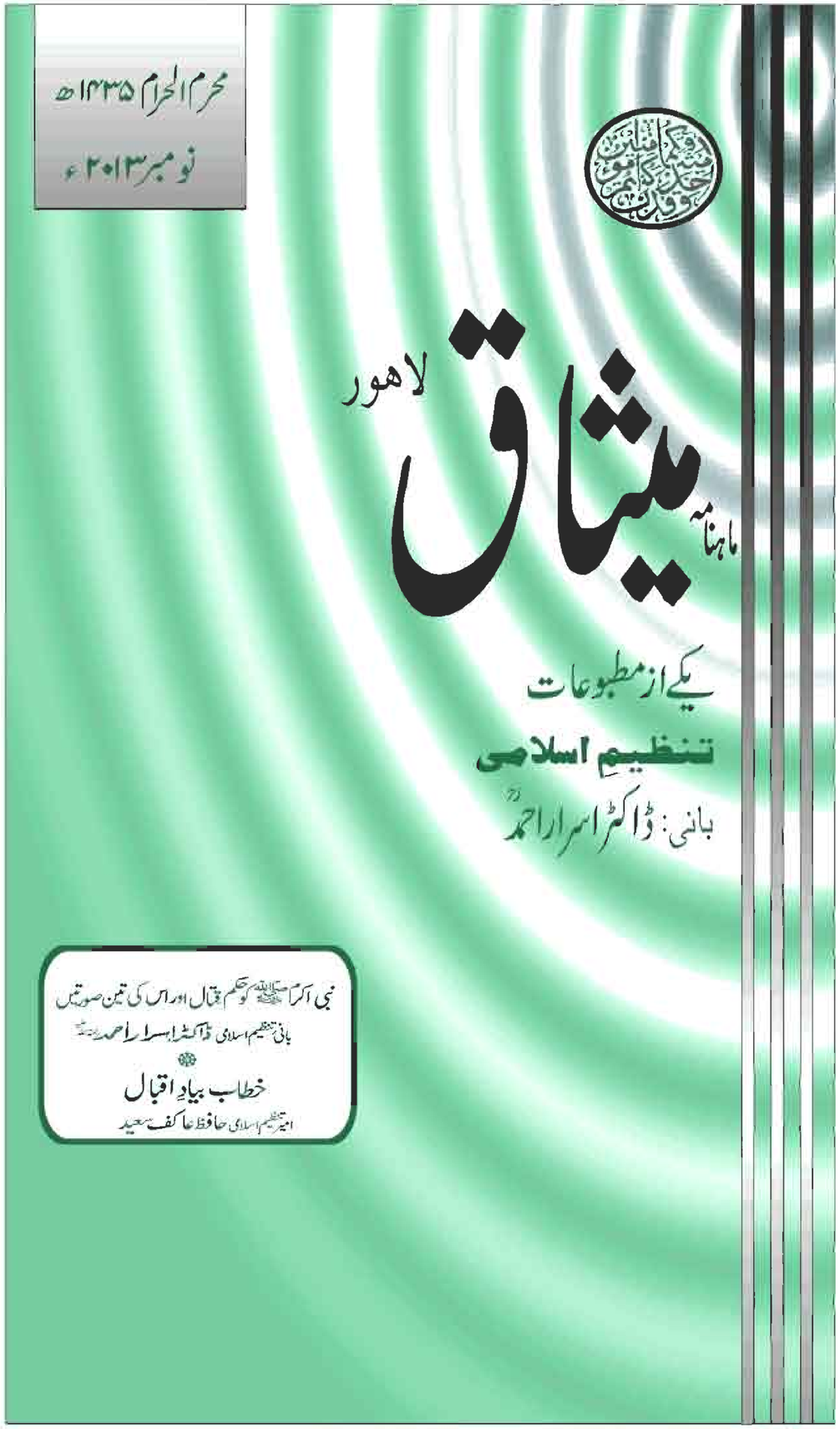

محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
نومبر ۲۰۱۳ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

نبی اکرم ﷺ کو حکم قتال اور اس کی تین صورتیں
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

خطاب بیادِ اقبال
امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(آٹھواں ایڈیشن) ———— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سورۃ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(پانچواں ایڈیشن) ———— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ———— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم سورۃ یونس تا سورۃ الکہف
(تیسرا ایڈیشن) ———— صفحات 394، قیمت 460 روپے

حصہ پنجم سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ
(پہلا ایڈیشن) ———— صفحات 480، قیمت 550 روپے

٭ عمدہ طباعت ٭ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ٭ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخوا پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : 62
شمارہ : 11
محرم الحرام 1435ھ
نومبر 2013ء
فی شمارہ -/25

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون
- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
پاک امریکہ تعلقات کا پس منظر
اور نواز شریف کی امریکہ یاترا — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن — 7
سورۃ الحجر (آیات ۱ تا ۴۸) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث — 27
نبی اکرم ﷺ کو حکم قتال
اور قتال کی تین صورتیں — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بیادِ اقبال — 57
موجودہ ملکی و ملی مسائل کا حقیقی و پائیدار حل
کلام اقبال کی روشنی میں — حافظ عاکف سعید

حکمتِ تبلیغ — 65
دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح
کے ضمن میں حکمت کے چند اہم نکات — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

التّذکیر بایّامِ اللہ — 69
حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود — عتیق الرحمٰن صدیقی

فکرونظر — 79
طالبان کا اسلام اور مہدی آخر الزماں — بلال خان

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

پاک امریکہ تعلّقات کا پس منظر

اور نواز شریف کی امریکہ یاترا

بعض تجزیہ نگاروں کی یہ رائے تھی اور شاید ہے کہ برطانیہ خود تحریکِ پاکستان کی پشت پر تھا' کیونکہ وہ سوویت یونین کی بڑھتی ہوئی قوت اور کمیونزم کی مشرقی یورپ میں یلغار اور ہندوستان میں اس نظریہ کی مقبولیت سے خوف زدہ تھا۔ وہ ہندوستان پر اپنا سیاسی تسلّط عسکری قبضہ ختم ہونے کے باوجود رکھنا چاہتا تھا' لہٰذا Divide and rule کے اپنے فلسفہ کے تحت وہ ہندوستان کی تقسیم کے حق میں تھا اور اس کی ہندوستان کی تقسیم کو روکنے کی کوششیں مصنوعی اور جعلی تھیں۔ باچا خان فیملی اس حوالہ سے اس حد تک گئی کہ اس نے قائداعظم کو انگریز کا ایجنٹ اور اس کا پروردہ قرار دے دیا۔ ہم اسے تاریخ کے ساتھ بے ہودہ مذاق قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ عظیم دوم میں فتح کے باوجود برطانیہ یہ سمجھ گیا تھا کہ اب اسے سکڑنا ہوگا اور اگر اس نے اپنا پھیلاؤ قائم رکھنے کی کوشش کی تو یہ خود اس کی سلامتی کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ یہ ایک انتہائی دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ عارضی طور پر ہی سہی' عالمی کردار کو کم کر کے اندرونی استحکام حاصل کیا جائے' کیونکہ جنگ نے اس کی معیشت کا بھرکس نکال دیا تھا۔ پھر یہ کہ عالمی سطح پر سپر پاور کی حیثیت منوانے والا امریکہ اس کا برادر بزرگ ہی تھا۔ البتہ بعض خبروں کے مطابق (اگرچہ یہ غیر مصدقہ ہیں) دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر امریکہ نے برطانیہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا اور تقسیم ہند کی شدید مخالفت ختم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس لیے کہ خود امریکہ سوویت یونین سے خوف محسوس کر رہا تھا اور کمیونزم کو اپنے سرمایہ دارانہ نظام کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں کانگریس اور خاص طور پر ہندو دانشور کمیونزم کی طرف رجحان رکھتے تھے اور یہ سیدھی سی بات تھی کہ کمیونزم کا مقابلہ مذہب کو بنیاد بنا کر کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ہندوستان اور سوویت یونین کے درمیان ایک مذہبی ریاست مفید ثابت ہو سکتی تھی۔ پھر یہ کہ امریکہ دیکھ رہا تھا کہ تحریک پاکستان نے مسلمانانِ ہند میں جو جوش و خروش

پیدا کر دیا تھا' جنگ زدہ برطانیہ اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکے گا۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ مسلمانانِ ہند کے لیے ایک الگ ریاست کا تصور علامہ اقبالؒ الٰہ آباد میں ۱۹۳۰ء کے مسلم لیگ کے جلسہ کے صدارتی خطاب میں دے چکے تھے اور ۱۹۴۰ء میں قراردادِ لاہور کے بعد تحریک پاکستان پورے زور و شور سے ہندوستان کے طول و عرض میں چل رہی تھی' اور امریکہ ۱۹۴۶ء میں برصغیر کے معاملات میں اس وقت دلچسپی لیتا ہے جب تحریک پاکستان کامیابی کی کئی منازل طے کر چکی تھی' جس میں والہانہ جوش و خروش کے ساتھ جلسے جلوس اور مسلمان نشستوں پر مسلم لیگ کی شاندار کامیابی شامل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں امریکن کانگریس کا ایک وفد قائداعظم سے ملاقات کے لیے برصغیر آیا اور اس ملاقات میں قائداعظم نے انہیں یقین دہانی کرائی کہ پاکستان اس خطہ میں امریکی مفادات کا تحفظ کرے گا۔

بعد ازاں لیاقت علی خان نے سوویت یونین کے دورے کی دعوت کو رد کر کے امریکہ جانا پسند کیا۔ ہماری رائے میں قائداعظم کا امریکی وفد کو خطے میں امریکی مفادات کے تحفّظ کی یقین دہانی کرانا اور لیاقت علی خان کا امریکہ کے دورے کی دعوت قبول کر لینا' یہ دونوں فیصلے اس لحاظ سے درست تھے کہ سوویت یونین ایک خدا منکر بلکہ خدا دشمن نظام رائج کیے ہوئے تھا اور یہ نظریہ ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہا تھا' لہٰذا اسلام کی بنیاد پر بننے والے ملک کے معمار سوویت یونین کی طرف دوستی کا ہاتھ کیسے بڑھا سکتے تھے۔ انہوں نے صحیح طور پر ایک آسمانی مذہب کے قائل امریکہ اور مغربی یورپ سے اپنا تعلق استوار کیا۔ پھر یہ کہ قیامِ پاکستان کے فوری بعد بھارت کی بدنیتی اور اس کے جارحانہ عزائم سامنے آ گئے تھے اور نوزائیدہ بے سروسامان' بے وسائل ریاست کا اپنی سلامتی کے حوالہ سے کسی بڑی قوت سے تعلقات بنانا سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ البتہ اس کے بعد ہم آنکھیں بند کر کے دوستی کی اس شاہراہ پر انتہائی تیز رفتاری سے بھاگے جس سے توازن قائم نہ رہ سکا۔ سوویت یونین سے دوستی نہ کرنا صحیح سمت میں فیصلہ تھا' لیکن سیٹو اور سینٹو میں خود کو امریکہ سے باندھ کر خواہ مخواہ سوویت یونین' جو سپر پاور ہونے کے ساتھ ساتھ ہمسایہ بھی تھا' کو اپنا دشمن بنا لینا حماقت کا ارتکاب تھا۔ بعد ازاں امریکہ سے دوستی اور سوویت یونین کی مخالفت کے حوالے سے ایسی ایسی حماقتوں کا مظاہرہ کیا گیا جس میں امریکہ کے لیے سوویت یونین کی جاسوسی بھی شامل تھی۔ اس پالیسی نے سوویت یونین کو پاکستان کا بدترین دشمن بنا دیا۔

(باقی صفحہ 95 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْحِجْر

تمہیدی کلمات

اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر اپنے گروپ کی باقی تینوں سورتوں سے بالکل منفرد ہے' بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے ذیلی گروپ میں سورۂ یوسف باقی دونوں سورتوں سے منفرد تھی۔ چنانچہ اس ذیلی گروپ کی پہلی دونوں سورتوں (الرعد اور ابراہیم) کا نہ صرف مزاج اور اسلوب ایک سا ہے بلکہ دونوں میں نسبتِ زوجیت بھی ہے' جبکہ سورۃ الحجر کا مزاج' انداز اور اسلوب ان دونوں سورتوں سے مختلف ہے۔

اسلوب میں ایک بنیادی فرق تو آیات کی طوالت کے سلسلے میں ہے۔ دوسری دونوں سورتوں کی آیات کے مقابلے میں سورۃ الحجر کی آیات نسبتاً چھوٹی ہیں۔ سورۃ الرعد کے چھ رکوع ہیں اور اس کی آیات ۴۳ ہیں۔ گویا اوسطاً ایک رکوع میں سات آیات ہیں۔ اسی طرح سورۂ ابراہیم کے سات رکوع ہیں اور اس کی ۵۲ آیات ہیں۔ یعنی اس کے ایک رکوع میں بھی اوسطاً تقریباً سات آیات ہی ہیں۔ اب جب ہم اس حوالے سے سورۃ الحجر کو دیکھتے ہیں تو اس کے چھ رکوع میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی ایک رکوع میں اوسطاً ۱۶ آیات ہیں۔ آیات کے چھوٹے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا اسلوب مکی دور کی ابتدائی سورتوں سے ملتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر ابتدائی چار سال میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

سورتوں کے اسلوب کے بارے میں ایک بنیادی نکتہ بہت اہم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی آیات چھوٹی اور رِدھم (rhythm) بہت تیز ہے۔ ان میں صوتی آہنگ اور غنائیت بھی بہت واضح ہے۔ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مزاج اور اسلوب میں اس لحاظ سے ہمیں بتدریج تبدیلی نظر آتی ہے اور یہ تبدیلی مدنی دور میں

جا کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جہاں آیات نسبتاً طویل ہیں اور رِدھم بہت دھیما۔ چنانچہ مدنی دور میں آیت دَین' آیت الکرسی اور آیت البر جیسی غیر معمولی طوالت کی حامل آیات بھی ہیں جو ابتدائی دور کی بعض سورتوں سے بھی زیادہ طویل ہیں۔ سورتوں کے اس اسلوب کی مثال ایک ایسے دریا کی سی ہے جو پہاڑوں سے نکلتا ہے اور بتدریج سفر کرتے ہوئے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں اس کا بہاؤ بہت تیز اور پاٹ مختصر ہوتا ہے' لیکن میدانی علاقے میں آ کر اس کے بہاؤ میں ٹھہراؤ اور پاٹ میں وسعت آ جاتی ہے۔ جیسے دریائے سندھ' جو پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک ندی کا منظر پیش کرتا ہے' میدانی علاقوں میں دریا خان وغیرہ کے قریب اس کا پانی میلوں میں پھیلا نظر آتا ہے۔

اس مثال کے مطابق ابتدائی دور کی سورتوں کا رِدھم تیز اور آیات محکم ہیں' اِن کے مضامین میں جامعیت اور گہرائی زیادہ ہے' جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضامین بتدریج پھیلتے گئے ہیں اور پھر اس نسبت سے عبارت کا رِدھم بھی مدہم ہوتا گیا ہے۔ اس تدریجی تبدیلی کے حوالے سے دیکھیں تو مکی دور کی آخری سورتوں میں بھی ہمیں وہ رِدھم نمایاں محسوس نہیں ہوتا جو ابتدائی زمانے کی سورتوں' مثلاً سورۂ قٓ' سورۃ النجم' سورۃ الرحمٰن' سورۃ الواقعہ اور سورۃ الملک میں نظر آتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ الحجر کو مصحف کے وسط میں اور ایسی سورتوں کے درمیان میں کیوں رکھا گیا ہے جن کا زمانہ نزول بعد کا ہے' تو اس کا واضح اور حتمی جواب تو یہی ہے کہ اس معاملے کا تعلق توقیفی امور سے ہے اور اس کی اصل حکمت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری ایک اپنی رائے ہے جس کا اظہار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں' اور وہ یہ کہ یہاں ایک جیسی مکی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو گیارہویں پارے سے شروع ہو کر اٹھارہویں پارے تک چلا گیا ہے۔ ان سورتوں میں ایک جیسے مضامین تکرار کے ساتھ آ رہے ہیں۔ چنانچہ اس یکسانیت کو ختم کرنے اور ایک طرح کا تنوع پیدا کرنے کے لیے ابتدائی دور کی ایک سورت کو یہاں پر رکھا گیا ہے۔ ورنہ مزاج اور اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر کی بہت زیادہ مشابہت سورۃ الشعراء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم!

یہاں پر سورۃ الحجر کی ایک آیت کو تیرہویں پارے میں اور باقی سورت کو چودہویں پارے میں دیکھ کر پاروں کی تقسیم کی بنیاد اور اس کے طریق کار کے بارے میں بھی سوال اٹھتا

ہے۔اس سلسلے میں بنیادی طور پر یہ بات اہم ہے کہ یہ تقسیم صحابہؓ کے زمانے میں نہیں تھی' بلکہ بعد میں کی گئی' اور بغرضِ تلاوت قرآن مجید کو تیس برابر اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا' تاکہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت سے مہینے بھر میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ بہر حال اس تقسیم میں کوئی خاص حکمت نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس میں مضمون کے تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔اس تقسیم میں جا بجا سورتوں کی فصیلیں ٹوٹتی نظر آتی ہیں۔کئی مقامات پر کسی سورۃ کی چند آیات ایک پارے میں اور باقی سورۃ اگلے پارے میں شامل کی گئی ہے۔ جیسے سورۂ ہود کی ابتدائی پانچ آیات گیارہویں پارے میں ہیں جبکہ باقی پوری سورت بارہویں پارے میں ہے۔اس کے برعکس قرآن حکیم کی منازل کی تقسیم صحابہؓ کے دور میں ہوئی اور اس تقسیم میں بڑا حسن نظر آتا ہے۔

آیات ۱ تا ۱۵

الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا
مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا
وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝
لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا
فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ
مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

آیت ۱ ﴿الٓرٰ﴾ ''ا'ل' ر۔

حروفِ مقطعات کا یہ سلسلہ سورۂ یونس سے شروع ہوا تھا۔ پانچ سورتوں کے آغاز میں الٓرٰ کے حروف ہیں اور ایک سورۃ (الرعد) میں الٓمّٓرٰ۔ یہ اس سلسلہ کی چھٹی اور آخری سورت ہے۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱﴾ ''یہ (اللہ کی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔''

آیت ۲ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲﴾ ''ایک وقت خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔''

ایک وقت آئے گا کہ ان لوگوں کے لیے ان کا کفر موجب حسرت بن جائے گا۔

آیت ۳ ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) چھوڑ دیجیے ان کو' یہ کھا پی لیں اور فائدہ اٹھالیں''

زمین میں جو مہلت انہیں ملی ہوئی ہے اس میں خوب مزے کر لیں۔

﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ ''اور (لمبی لمبی) امیدیں ان کو غافل کیے رکھیں''

اَلْهٰی' یُلْهِی' اِلْهَاءً کے معنی ہیں غافل کر دینا۔ سورۃ التکاثر میں فرمایا گیا: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲﴾ ''غافل کیے رکھا تمہیں کثرت کی خواہش کے مقابلے نے' یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں''۔ انسان کے لمبے لمبے منصوبے بنانے کو ''طولِ اَمل'' کہتے ہیں۔ جب انسان اس گورکھ دھندے میں پڑ جائے' تو خواہشوں اور آرزوؤں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا' مگر زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى))(۱) یعنی اگر کوئی شے کم ہے لیکن آپ کو کفایت کر جائے' آپ کی ضرورت اس سے پوری ہو جائے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو آپ کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آپ کو اپنے خالق اور مالک کی یاد سے غافل کر دے۔

اگر مال و دولت کی ریل پیل ہے' رزق اور سامانِ آسائش کی فراوانی ہے' کبھی کوئی حاجت پریشان نہیں کرتی' کوئی محرومی' کوئی نارسائی اللہ کی یاد تازہ کرنے کا سبب نہیں بنتی' تو ایسی حالت میں رفتہ رفتہ انسان کے بالکل غافل ہو جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ اتنا ملے جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنا

(۱) مسند احمد' ح ۲۰۷۲۸۔ راوی: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ۔

پڑے۔لیکن اس قدر فراوانی نہ ہو کہ غفلت غلبہ پا لے۔

﴿فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ”تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“

آیت ۴ ﴿وَمَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَلَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾﴾ ”اور ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا‘ مگر اس کے لیے ایک معیّن نوشتہ تھا۔“

ہر قوم پر آنے والے عذاب کا ایک وقت معیّن تھا جو پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

آیت ۵ ﴿مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَمَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾﴾ ”کوئی اُمت نہ تو اپنے وقتِ معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔“

آیت ۶ ﴿وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡہِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۶﴾﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اُس کے بقول) یہ ذکر نازل ہوا ہے (ہمارے نزدیک) تم تو یقیناً دیوانے ہو۔“

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!! —— مجنون ”جن“ سے مشتق ہے۔عربی میں جن کے معنی مخفی چیز کے ہیں۔اسی معنی میں رحمِ مادر میں بچے کو جنین کہا جاتا ہے‘ کیونکہ وہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔اس اعتبار سے لفظ ”جنت“ بھی اسی مادہ سے ہے اور اس سے مراد ایسی زمین ہے جو درختوں اور گھاس وغیرہ سے پوری طرح ڈھکی ہوئی ہو۔سورۃ الانعام آیت ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَیۡہِ الَّیۡلُ﴾ یعنی جب رات کی تاریکی نے اسے ڈھانپ لیا۔چنانچہ مجنون اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس پر جن کے اثرات ہوں‘ آسیب کا سایہ ہو اور اس کو بھی جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات وحی کے بالکل ابتدائی دور میں کہی گئی تھی اور اس کے کہنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس طرح کے خیالات کا اظہار معاندانہ انداز میں نہیں بلکہ ہمدردی میں کر رہے تھے۔یعنی جب ابتدا میں حضور ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ غارِ حرا میں ان کے پاس فرشتہ آیا ہے تو بہت سے لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ کو کسی بدروح وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے۔چونکہ نبوت ملنے اور فرشتہ کے آنے کا دعویٰ ان کے لیے بالکل نئی بات تھی اس لیے ان کا واقعی یہ خیال تھا کہ اکیلے کئی کئی راتیں غارِ حرا میں رہنے کی وجہ سے ضرور آپ ﷺ پر کسی بدروح یا جن کے اثرات ہو گئے ہیں۔چنانچہ سورۂ نٓ (اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے) جو کہ بالکل ابتدائی دور کی سورۃ ہے‘ اس میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲﴾﴾ ”آپؐ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔“

آیت ۷ ﴿لَوۡ مَا تَاۡتِیۡنَا بِالۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷﴾﴾ ”کیوں نہیں لے آتے ہمارے سامنے فرشتوں کو اگر تم سچے ہو؟“

اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ان باتوں کا جواب آ رہا ہے:

آیت ۸ ﴿مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالۡحَقِّ﴾ ”ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ“

یعنی یہ لوگ فرشتوں کو بلانا چاہتے ہیں یا اپنی شامت کو؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عاد و ثمود اور قومِ لوط پر فرشتے نازل ہوئے تو کس غرض سے نازل ہوئے! انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے جب کسی قوم پر نازل ہوتے ہیں تو آخری فیصلے کے نفاذ کے لیے نازل ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا کَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِیۡنَ ﴿۸﴾﴾ ”اور (اگر فرشتے نازل ہو گئے تو) پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔“

آیت ۹ ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾﴾ ”یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

یہ آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔جہاں تک اس کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو یہ حکم تورات پر بھی صادق آتا ہے اور انجیل پر بھی۔یعنی یہ دونوں کتابیں بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔قرآن میں اس کی بار بار تصدیق بھی کی گئی ہے۔سورۃ المائدۃ کی آیت ۴۴ میں تورات کے منزّل من اللہ ہونے کی تصدیق اس طرح کی گئی ہے: ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّنُوۡرٌ ۚ﴾۔سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳ میں ان دونوں کتابوں کا ذکر فرمایا گیا: ﴿وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۳﴾﴾۔لیکن اس آیت کے دوسرے حصے میں جو حکم آیا ہے وہ صرف اور صرف قرآن کی شان ہے۔اس سے پہلے کسی الہامی کتاب یا صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کتب کی ہدایات و تعلیمات حتمی اور ابدی نہیں تھیں۔وہ تو گویا عبوری ادوار کے لیے وقتی اور عارضی ہدایات تھیں اور اس لحاظ سے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔اب جبکہ ہدایت کامل ہو گئی تو اسے تاابد محفوظ کر دیا گیا۔

یہ آیت ختم نبوت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے۔اگر سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ کے مطابق قرآن میں ہدایت درجۂ کاملیت تک پہنچ گئی اور آیت زیرِ نظر کے مطابق وہ ابدی طور پر محفوظ بھی

ہوگئی تو وحی کے جاری رہنے کی ضرورت بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ قادیانیوں کے پاس اِن دونوں قرآنی حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد (اور ان کے لیے انہیں تسلیم کیے بغیر چارا بھی نہیں) وحی کے جاری رہنے کے جواز کی کوئی عقلی و منطقی دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ وحی کی ضرورت ان دونوں میں سے کسی ایک صورت میں ہی ہوسکتی ہے کہ یا تو ابھی ہدایت کامل نہیں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل کے لیے وحی کے تسلسل کی ضرورت تھی۔ یا پھر ہدایت کامل تو ہوگئی تھی مگر بعد میں غیر محفوظ ہوگئی یا گم ہوگئی اور اس وجہ سے پیدا ہو جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔ بہر حال اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی درپیش نہیں ہے تو سلسلۂ وحی کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) عبث کام نہیں کرتا کہ ضرورت کے بغیر ہی سلسلۂ وحی کو جاری کیے رکھے۔

یہاں دو دفعہ (زیر نظر آیت سے قبل آیت ۶ میں بھی) قرآن حکیم کے لیے ''الذکر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ ''ن'' کی آخری دو آیات میں بھی قرآن حکیم کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ ذکر کا مفہوم یاد دہانی ہے۔ قرآنی فلسفے کے مطابق قرآن مجید کا ''الذکر'' ہونا اس مفہوم میں ہے کہ ایمانی حقائق خصوصی طور پر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم انسانی روح کے اندر موجود ہے' مگر اس علم پر ذُہول (بھول اور غفلت) کا پردہ طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک وقت میں انسان کو ایک چیز یاد ہوتی ہے مگر بعد میں یاد نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے بارے میں معلومات اس کی یادداشت کے تہہ خانے میں دب جاتی ہیں۔ پھر بعد میں کسی وقت جونہی کوئی چیز ان معلومات سے متعلق سامنے آتی ہے تو انسان کے ذہن میں وہ بھولی بسری معلومات پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ذہن میں موجود معلومات کو پھر سے تازہ کرنے والی چیز گویا یاد دہانی (reminder) کا کام کرتی ہے۔ مثلاً ایک دوست سے آپ کی سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا خیال بھی کبھی نہیں آیا' مگر ایک دن اچانک اس کا دیا ہوا ایک قلم یا رومال سامنے آنے سے اس دوست کی یاد یکدم ذہن میں تازہ ہوگئی۔ اس قلم یا رومال کی حیثیت گویا ایک نشانی (یا آیت) کی ہے جس سے آپ کے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد پھر سے تازہ ہوگئی۔

اسی طرح اللہ کی ذات کا علم انسانی روح میں خفتہ (dormant) حالت میں موجود ہے۔ اس علم کو پھر سے جگا کر تازہ کرنے اور اس پر پڑے ہوئے ذہول اور نسیان کے پردوں کو ہٹانے کے لیے آیاتِ آفاقیہ' آیاتِ انفسیہ اور آیاتِ قرآنیہ گویا یاد دہانی کا کام دیتی ہیں اور اللہ

کی یاد کو انسان کے ذہن میں تازہ کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کو الذکر (یاد دہانی) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے' پہلی جماعتوں میں۔''

شِیَع' شِیْعَة کی جمع ہے اور اس کے معنی الگ ہو کر پھیلنے والے گروہ کے ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی نسلیں بڑھتی گئیں تو ان کے قبیلے اور گروہ علیحدہ ہوتے گئے اور یوں تقسیم ہو ہو کر روئے زمین پر پھیلتے گئے۔ اردو الفاظ ''اشاعت'' اور ''شائع'' بھی اسی مادہ سے مشتق ہیں' چنانچہ ان الفاظ میں بھی پھیلنے اور پھیلانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱﴾ ''اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی بھی رسولؑ' مگر وہ اس کے ساتھ استہزا ہی کرتے رہے۔''

آیت ۱۲ ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲﴾ ''اسی طرح ہم اس کو چبھو دیتے تھے مجرموں کے دلوں میں۔''

حق کی دعوت اپنی تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ مخاطبین کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے' وہ اس کی حقانیت کو خوب پہچان لینے کے بعد ٹھکراتے رہے۔ اس لیے کہ حق کو حق تسلیم کرنے سے اُن کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔

آیت ۱۳ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور پہلے لوگوں کی سنت گزر چکی ہے۔''

انبیاء و رسل کے مخاطبین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر یہ ''الذکر'' نازل کیا ہے اسی طرح پہلے بھی ہم اپنے رسولوں پر کتابیں اور صحیفے نازل کرتے رہے ہیں' مگر ان کی قوموں کے لوگ اکثر انکار ہی کرتے رہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝۱۴﴾ ''اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے اور وہ اس پر چڑھنے لگتے۔''

آیت ۱۵ ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝۱۵﴾ ''تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی ہے' بلکہ ہم پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔''

آیات ۱۶ تا ۲۵

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸
وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰ وَاِنْ مِّنْ
شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۘ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ
لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝۲۲ وَاِنَّا
لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۲۳ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝۲۴ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵

آیت ۱۶ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۶﴾ ’’اور ہم نے آسمان میں بُرج بنائے ہیں اور ہم نے اسے (آسمانوں کو اور بُرجوں کو) مزیّن کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے۔‘‘

ان بُرجوں کی اصل حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے‘ اس لحاظ سے یہ آیت بھی آیاتِ متشابہات میں سے ہے۔ البتہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کی بہار وہ دلکش منظر پیش کرتی ہے جس سے ہر دیکھنے والے کی آنکھ محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

آیت ۱۷ ﴿وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۱۷﴾ ’’اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطانِ مردود سے۔‘‘

یہ گویا ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں انسان کی جدید تحقیق ماضی قریب میں ہوئی ہے‘ لیکن ابھی بھی اس سلسلے میں انسانی علم بہت محدود ہے۔ وائرس اور بیکٹیریا کے بارے میں کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی کوئی مخلوق ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں یقیناً بہت سے ایسے حقائق ہوں گے جن کے بارے میں اب بھی

انسان کچھ نہیں جانتا۔ بہر حال اب تک جتنی مخلوقات کے بارے میں ہمیں علم ہے ان میں صرف تین قسم کی مخلوقات ایسی ہیں جن میں خود شعوری (self consciousness) پائی جاتی ہے‘ یعنی ملائکہ‘ جنات اور انسان۔ ان میں سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا گیا‘ پھر جنات کو اور پھر انسان کو۔ گویا انسان اس کائنات کی تخلیق کے اعتبار سے Recent دور کی مخلوق ہے۔ البتہ انسانوں کی ارواح اسی دور میں پیدا کی گئیں جب ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ بہر حال خود شعوری صرف ان تین قسم کی مخلوقات میں ہی پائی جاتی ہے‘ باقی جو بھی مخلوقات اس کائنات میں موجود ہیں‘ چاہے وہ خشکی اور سمندر کے جانور ہوں یا ہوا میں اڑنے والے پرندے‘ ان میں شعور تو ہے مگر خود شعوری نہیں ہے۔

جِنّات کی تخلیق چونکہ آگ سے ہوئی ہے لہٰذا ان کے اندر مخفی قوت (potential energy) انسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ میرا گمان ہے کہ جنات کو سورج کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے انہیں پورے نظامِ شمسی کے دائرے میں آمد و رفت کی طاقت اور استعداد حاصل ہے اور اس کے لیے انہیں کسی راکٹ یا مشینی ذرائع کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اسی استعداد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ عالمِ بالا سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور تدبیرات کی ترسیل کے دوران ملائکہ سے کچھ خبریں اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ ایسی خبریں انسانوں میں اپنے دوست دار عامل اور کاہن لوگوں کو بتاتے ہیں تاکہ وہ اپنی دکانیں چمکا سکیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایوانِ صدر سے احکام کی ترسیل و تقسیم کے دوران کوئی شخص متعلقہ اہلکاروں سے ان احکام کے بارے میں خبریں حاصل کر کے قبل از وقت ان لوگوں تک پہنچا دے جو ان کے ذریعے سے اپنی دکانیں چمکانا چاہتے ہیں۔

جِنّات کو نظامِ شمسی کی حدود پھلانگنے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں میزائل نصب کر رکھے ہیں۔ جب بھی کوئی جن اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر میزائل پھینکا جاتا ہے جسے ہم شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ اس پورے نظام پر ہم ’’كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا‘‘ کے اصول کے تحت یقین رکھتے ہیں جو ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ بہر حال سائنسی ترقی کے سبب کائنات کے بارے میں اب تک سامنے آنے والی معلومات اور ایجادات کے ساتھ بھی ان قرآنی معلومات کا کسی نہ کسی حد تک تطابق (corroboration) موجود ہے۔

آیت ۱۸ ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ ’’ماسوائے اس کے کہ جو کوئی چوری چھپے سننا چاہے‘‘

جیسے ایک فرشتہ کچھ احکام لے کر آ رہا ہو اور کوئی جن اس سے کوئی سن گن لینے کی کوشش کرے۔ فرشتے نوری ہیں اور جن ناری مخلوق ہیں‘ چنانچہ نور اور نار کے درمیان زیادہ بُعد نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ عزازیل (ابلیس) کا بھی ایک جن ہونے کے باوجود فرشتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔

﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۸﴾ ’’تو اُس کا پیچھا کرتا ہے ایک انگارہ چمکتا ہوا۔‘‘

ایسی خلاف ورزی کی صورت میں اس جن پر میزائل پھینکا جاتا ہے۔ یہ میزائل اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے ستاروں میں نصب کر رکھے ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾ ’’اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے لنگر ڈال دیے‘‘

زمین کے یہ لنگر پہاڑ ہیں جن کے بارے میں قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ زمین کی حرکت کو متوازن رکھنے (Isostasy) کا ایک ذریعہ ہیں۔

﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝۱۹﴾ ’’اور اس میں اُگا دی ہم نے ہر شے ٹھیک اندازے کے مطابق۔‘‘

کائنات کے اس خدائی نظام میں ہر چیز کی مقدار اور تعداد اس حد تک ہی رکھی گئی ہے جس حد تک اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چیز اس مقررہ حد سے بڑھے گی تو وہ اس نظام میں خلل کا باعث بنے گی۔ مثلاً بعض مچھلیوں کے انڈوں کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ یہ تمام انڈے اگر مچھلیاں بن جائیں تو چند ہی سالوں میں ایک مچھلی کی اولاد اس زمین کے حجم سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائے۔ بہرحال اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کو ایک طے شدہ اندازے اور ضرورت کے مطابق رکھا گیا ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝۲۰﴾ ’’اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں ذرائع معاش اور (ان کے لیے بھی) جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔‘‘

کچھ مخلوق تو ایسی ہے جس کی روزی اور کھانے پینے کا انتظام بظاہر انسانوں کی ذمہ داری

ہے‘ جیسے پالتو جانور‘ مگر بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جن کے رزق کی ذمہ داری انسانوں پر نہیں ہے‘ مگر اللہ ان سب کو ان کے حصے کا رزق بہم پہنچا رہا ہے۔

آیت ۲۱ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ ’’اور نہیں ہے کوئی شے مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے‘‘

کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ ہمارے خزانے اور وسائل لامحدود ہیں‘ لیکن:

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱﴾ ’’ہم نہیں نازل کرتے اس میں سے مگر ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔‘‘

اُن لامتناہی اور لامحدود خزانوں سے صرف ضرورت کے مطابق اشیاء دنیا میں بھیجی جاتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بڑے بڑے گوداموں سے ضرورت کے مطابق چیزوں کی ترسیل کی جاتی ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ﴾ ’’اور ہم بھیجتے ہیں ہوائیں جو بوجھل ہوتی ہیں (یا بوجھل کرنے والی ہوتی ہیں)‘‘

لَوَاقِحَ کا مفہوم پہلے تو یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش کا سبب بنتی ہیں‘ لیکن اب جدید سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ polen grains بھی ہواؤں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں جن سے پھولوں کی فرٹیلائزیشن ہوتی ہے‘ جس کے نتیجے میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یوں یہ سارا نباتاتی نظام بھی ہواؤں کی وجہ سے چل رہا ہے۔

﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ﴾ ’’پس ہم نے اتارا آسمان سے پانی پھر وہ تم لوگوں کو پلایا۔‘‘

پانی مبدأ حیات ہے۔ زمین پر ہر طرح کی زندگی کے وجود کا منبع اور سرچشمہ بھی پانی ہے اور پھر پانی پر ہی زندگی کی بقا کا انحصار بھی ہے۔ پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم و ترسیل کا ایک لگا بندھا نظام وضع کیا ہے جسے آج کی سائنس نے واٹر سائیکل کا نام دیا ہے۔ واٹر سائیکل کا یہ عظیم الشان نظام اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے۔ سمندروں سے ہواؤں تک بخارات پہنچا کر بارش اور برفباری کا انتظام‘ گلیشیئرز کی شکل میں بلند و بالا پہاڑوں پر واٹر سٹوریج کا اہتمام‘ پھر چشموں‘ ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سے اس پانی کی وسیع و

عریض میدانی علاقوں تک رسائی اور زیر زمین پانی کا عظیم الشان ذخیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ واٹر سائیکل ہے جس پر پوری دنیا میں ہر قسم کی زندگی کا دارومدار ہے۔

﴿وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾﴾ ''اور تم اس کے جمع کرنے والے نہیں ہو۔''

یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم پانی کے اس ذخیرے کو جمع کرتے۔

آیت ۲۳ ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾ ''اور یقیناً ہم ہی ہیں جو زندہ بھی رکھتے ہیں اور موت بھی وارد کرتے ہیں اور ہم ہی وارث ہوں گے۔''

یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ظاہری ملکیت کا بھی کوئی دعویدار باقی نہیں رہے گا۔

آیت ۲۴ ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ''اور ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی اور جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔''

چونکہ یہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو حق کی اس دعوت پر فوراً لبیک کہیں گے اور آگے بڑھ کر قرآن کو سینوں سے لگائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ (التوبہ:۱۰۰) کے مصداق کون لوگ ہوں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) قبولِ حق کے لیے ایک لمحے کی دیر نہیں لگائے گا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بھی اس دعوت کو فوراً قبول کر لے گا۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی تبلیغ سے طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ فوراً ایمان لے آئیں گے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون کون بدنصیب ہیں جو اس سعادت کو سمیٹنے میں پیچھے رہ جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب ہی ہے جو ان سب کو جمع کرے گا۔ یقیناً وہ کمال حکمت والا، خوب علم رکھنے والا ہے۔''

آیات ۲۶ تا ۴۸

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا
لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى
يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ
عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ
بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾ ۭ اُدْخُلُوْهَا
بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰي سُرُرٍ
مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾

آیت ۲۶ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٢٦﴾﴾ ''اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے۔''

حَمَاٍ مَّسْنُوْن سے سنا ہوا گارا مراد ہے، جس سے بدبو بھی اُٹھ رہی ہو۔ اس رکوع میں یہ ثقیل اصطلاح تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان کے مادۂ تخلیق کے حوالے سے قرآن میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے مرحلے پر تُراب یعنی مٹی کا ذکر ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ .....﴾ (الروم:۲۰)۔ مٹی میں پانی مل کر گارا بن جائے تو اس گارے کو عربی میں ''طِین'' کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان کی تخلیق کے سلسلے میں طین کا ذکر بھی قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہم شیطان کا یہ قول پڑھ آئے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾﴾ ''مجھے تو نے بنایا آگ سے اور اس (آدم) کو بنایا مٹی سے''۔ طین کے بعد ''طین لازب'' کا مرحلہ

ہے۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ۝۱۱﴾ ''طین لازب'' اصل میں وہ گارا ہے جو عملِ تخمیر (fermentation) کی وجہ سے لیس دار ہو چکا ہو۔ عام طور پر گارے میں کوئی organic matter بھوسہ وغیرہ ملانے سے اس کی یہ شکل بنتی ہے۔ ''طین لازب'' کے بعد اگلا مرحلہ ''حماٍ مسنون'' کا ہے۔ اگر لیس دار گارا زیادہ دیر تک پڑا رہے اور اس میں سڑاند پیدا ہو جائے تو اس کو ''حماٍ مسنون'' کہا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ سنا ہوا گارا (حماٍ مسنون) خشک ہو کر سخت ہو جائے تو یہ کھنکنے لگتا ہے۔ آپ نے کسی دریا کے ساحل کے قریب یا کسی دلدلی علاقے میں دیکھا ہوگا کہ زمین کے اوپر خشک پپڑی سی آ جاتی ہے، جس پر چلنے سے یہ آواز پیدا کر کے ٹوٹتی ہے۔ ایسی مٹی کے لیے قرآن نے ''صَلْصَالٍ کَالْفَخَّار'' (الرحمٰن:۱۴) کی اصطلاح استعمال کی ہے، یعنی ٹھیکرے جیسی کھنکھناتی مٹی۔

انسان کے مادہ تخلیق کے لیے مندرجہ بالا تمام الفاظ میں سے صرف ایک بنیادی لفظ ہی کفایت کر سکتا تھا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا، لیکن اس ضمن میں ان مختلف الفاظ (تُرَاب، طِین، طِین لازب، صَلصالٍ مِّن حماٍ مسنون اور صَلصالٍ کالفخّار) کے استعمال میں یقیناً کوئی حکمت کارفرما ہوگی۔ ممکن ہے یہ تخلیق کے مختلف مراحل (stages) کا ذکر ہو اور اگر ایسا ہے تو نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کے ساتھ بھی اس کی تطبیق (corroboration) ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ انسان کی تخلیق اگر خصوصی طور پر بھی عمل میں آئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ باقی حیوانات ارتقائی انداز میں پیدا کیے گئے ہوں۔ بہرحال زمین کی حیوانی حیات کے بارے میں سائنس بھی قرآن سے متفق ہے کہ یہ تمام مخلوق مٹی اور پانی سے بنی ہے۔ ادھر قرآن فرماتا ہے کہ مبدأ حیات پانی ہے اور اس سلسلے میں سائنس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ ساحلی علاقوں میں مٹی اور پانی کے اتصال سے دلدل بنی، پھر اس دلدل کے اندر عملِ تخمیر (fermentation) کے ذریعے سڑاند پیدا ہوئی تو وہاں الجی (Algai) یا امیبا (Amoeba) کی صورت میں نباتاتی یا حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ چنانچہ سائنسی تحقیق یہاں قرآن سے اتفاق کرتی نظر آتی ہے، گویا: ع ''متفق گردید رائے بوعلی با رائے من!''

آیت ۲۷ ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝۲۷﴾ ''اور جنات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔''

یہ لفظ ''سموم'' اردو میں بھی معروف ہے۔ موسم گرما میں صحرا میں چلنے والی تیز گرم ہوا کو

بادِ سموم کہتے ہیں۔ آگ کے شعلے کا وہ حصہ جو بظاہر نظر آتا ہے اس کے گرد ہالے کی شکل میں اس کا وہ حصہ ہوتا ہے جو عام طور پر نظر نہیں آتا۔ شعلے کے اس نظر نہ آنے والے حصے کا درجہ حرارت نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں ''نارِ سموم'' سے مراد آگ کی وہی لپٹ یا لو مراد ہے جو شدید گرم ہوتی ہے اور اسی سے جنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ یہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ جنات کو اگرچہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر وہ آگ نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے مگر ہم مٹی نہیں ہیں۔ دوسری اہم بات یہاں یہ واضح ہوئی کہ جنّات کو انسانوں سے بہت پہلے پیدا کیا گیا تھا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا آپؐ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر کو سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔''

یہاں پھر وہی ثقیل اصطلاح (صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ) استعمال ہوئی ہے۔ انسانی تخلیق کی ابتدا کے بارے میں ایک نکتہ یہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی تخلیق کے ان ابتدائی مراحل کا ذکر آیا ہے، وہاں لفظ آدم استعمال نہیں ہوا، بلکہ بشر اور انسان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پورے قرآن میں صرف سورۂ آل عمران کی آیت ۵۹ ایسی ہے جہاں اس ابتدائی تخلیق کے ضمن میں آدمؑ کا ذکر اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝۵۹﴾ ''یقیناً عیسٰیؑ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے بنایا، پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔''

آیت ۲۹ ﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ﴾ ''پھر جب میں اسے پوری طرح درست کر دوں''

کسی بھی تخلیق کے بعد اس کا تسویہ ضروری ہوتا ہے۔ پہلے بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے بعد اس کی آرائش و زیبائش کی جاتی ہے اور رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝۲۹﴾ ''اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح میں سے، تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔''

آیت ۳۰ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰﴾ ''تو سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مل کر۔''

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ میں بہت تاکید پائی جاتی ہے کہ سب کے سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا،

اوران میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ جبرائیل‘ میکائیل‘ اسرافیل‘ عزرائیل سمیت سب جھک گئے‘ کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔فرشتوں کے ساتھ ذکر آنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ جیسے ابلیس بھی فرشتہ تھا‘ مگر وہ فرشتہ نہیں تھا‘ جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ میں ’’کَانَ مِنَ الْجِنِّ ‘‘ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ وہ جِنّات میں سے تھا۔

آیت ۳۱ ﴿اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ’’سوائے ابلیس کے‘ اُس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ تو نہیں ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ؟‘‘

آیت ۳۳ ﴿قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾﴾ ’’اُس نے کہا: میرے لیے روا نہیں ہے کہ سجدہ کروں اُس بشر کو جسے تُو نے پیدا کیا ہے سنے ہوئے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے۔‘‘

آیت ۳۴ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا: بس نکل جاؤ اس میں سے‘ تم یقیناً مردود ہو چکے ہو۔‘‘

آدم کو سجدہ کرنے کے حکم الٰہی کا انکار کر کے تم راندۂ درگاہ ہو چکے ہو۔اب یہاں سے فی الفور نکل جاؤ!

آیت ۳۵ ﴿وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾﴾ ’’اور یقیناً تم پر لعنت رہے گی روزِ جزا تک۔‘‘

آیت ۳۶ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’اس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دے دے اُس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔‘‘

آیت ۳۷ ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا (جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾﴾ ’’وقتِ معیّن کے دن تک۔‘‘

یعنی روزِ قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ ویسے تو جنّوں کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک

زندہ ہو‘ ماسوائے اس ایک جن کے جس کا نام عزازیل ہے۔ باقی اس کی اولاد اور ذریت اپنی جگہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ﴾ ’’اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے‘‘

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ابلیس اپنی اس گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

﴿لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ’’میں یقیناً مزیّن کر دوں گا ان کے لیے زمین میں (دنیا کو) اور میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔‘‘

کہ میں اولادِ آدم کے لیے زمین میں دنیا کی رونقوں اور اس کی آرائش و زیبائش کو اس حد تک پُرکشش بنا دوں گا کہ وہ اس میں گم ہو کر آپ کو اور آپ کے احکام کو بھول جائیں گے۔ اس طرح میں ان سب کو آپ کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ’’سوائے تیرے اُن بندوں کے جن کو تُو ان میں سے (اپنے لیے) خالص کر لے۔‘‘

مخلَصین (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد وہ بندے ہیں جنہیں اللہ خاص اپنے لیے چُن لے‘ یعنی اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندے۔ اللہ کے ایسے بندوں کے بارے میں شیطان کا اعتراف ہے کہ ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔

آیت ۴۱ ﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے۔‘‘

یعنی میرے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا‘ تمہیں مہلت دے دی گئی۔ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بالکل واضح ہے۔ تم اولادِ آدم کو اس راستے سے بہکانے کے لیے اپنا زور آزما لو۔

آیت ۴۲ ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ ’’یقیناً میرے بندوں پر تجھے کچھ اختیار نہیں ہو گا‘‘

یعنی صرف ’’مُخلَصین‘‘ ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ کسی انسان پر بھی تجھے اختیار نہیں ہو گا۔

﴿اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ’’سوائے اُن کے جو خود تیری پیروی کریں گمراہوں میں سے۔‘‘

جولوگ ''غاوین'' میں سے ہوں گے' خود ان کے اندر سرکشی ہوگی' وہ خود اپنی نفس پرستی کی طرف مائل ہو کر تیری پیروی کریں گے' ان کو لے جا کر تو گمراہی کے جس گڑھے میں چاہے پھینک دے اور جہنم کی جس وادی میں چاہے ان کو گرا دے' مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے کسی فرمانبردار بندے پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

آیت ۴۳ ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۳﴾ ''اور یقیناً جہنم ہی ان سب کا موعود ٹھکانہ ہے۔''

جولوگ بھی تیری پیروی کریں گے' ان سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔

آیت ۴۴ ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝۴۴﴾ ''اس (جہنم) کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ہر دروازے کا ایک حصہ ہے مقرر شدہ۔''

جہنم کے ہر دروازے میں سے داخل ہونے والے جِنّوں اور انسانوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے دروازوں کی یہ تقسیم و تخصیص گناہوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم!

اہل جہنم کے ذکر کے بعد اب اہل جنت کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ موازنے اور فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز و اسلوب قرآن میں ہمیں جگہ جگہ ملتا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۵﴾ ''(اس کے برعکس) یقیناً متقی لوگ ہوں گے باغات اور چشموں میں۔''

آیت ۴۶ ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶﴾ ''(ان سے کہا جائے گا کہ) تم داخل ہو جاؤ ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔''

یہاں تم ہر طرح سے امن میں رہو گے' تمہیں کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

آیت ۴۷ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہوگی''

یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں بھی آ چکا ہے۔ اہلِ ایمان کی آپس کی رنجشیں' کدورتیں اور شکایتیں ختم کر کے ان کے دلوں کو ہر قسم کے تکدر سے پاک کر دیا جائے گا۔

﴿اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۷﴾ ''بھائی بھائی (بن کر وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں

پر آمنے سامنے۔''

جب کسی سے ناراضگی ہو تو آدمی آنکھیں چار نہیں کرتا' لیکن اہل جنت کے دل چونکہ ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہوں گے' اس لیے وہ آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں گے۔

آیت ۴۸ ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝۴۸﴾ ''نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تھکان' اور نہ ہی وہ اس میں سے نکالے جائیں گے۔''

اہل جنت کو جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالے جانے کا کھٹکا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہوگی۔

❁❁❁

بقیہ: خطاب بیادِ اقبال

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

آخری بند میں ساری بحث کو سمیٹتے ہیں' مسلمانوں کو حوصلہ بھی دلاتے ہیں:

عقل ہے تیری سپر' عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش' خلافت ہے جہاں گیر تری!
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہے تو تقدیر ہے تدبیر تری

اور آخری شعر ــــ! خلاصہ کلام:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں!

❁❁❁

نبی اکرم ﷺ کو حکمِ قتال
اور
قتال کی تین صورتیں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے ۹/اور ۱۶/ نومبر ۲۰۰۷ء کے خطاباتِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبۃ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (التوبۃ)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ :

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ، فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا

مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ)) (۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تا آنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں‘ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ جب وہ یہ کام کرلیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے سوائے کسی اسلامی حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔‘‘

معزز سامعین کرام!

آج اربعین نووی کی آٹھویں حدیث ہمارے زیر مطالعہ ہے اور یہ مضمون اس حدیث میں بھی آ چکا ہے جو اگرچہ اربعین نووی کا حصہ نہیں ہے لیکن ہم نے اس کتاب کے آخر میں اس کو شامل کیا ہے — وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی بڑی طویل روایت ہے جس کا مطالعہ ہم اس سلسلہ ہائے خطابات کے تین مسلسل خطابات میں ’’حکمت دین کا ایک عظیم خزانہ‘‘ کے عنوان سے کر چکے ہیں۔ ☆

حدیث کی تشریح

زیر مطالعہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے‘ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ)) ’’مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں‘‘ ((حَتّٰی يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) ’’یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (گواہی دیں کہ) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں‘‘ ((وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ)) ’’اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں‘‘ ((فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ)) ’’تو جب وہ یہ کام کرلیں تو وہ محفوظ کرلیں گے مجھ سے اپنی جانیں

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب الامر بقتالِ النّاس حتّٰی یقولوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسولُ اللّٰہ۔

☆ یہ خطابات دو مسلسل اقساط میں ماہنامہ میثاق کے شمارہ اگست وستمبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئے ہیں۔

بھی اور اپنے مال بھی‘ مگر یہ کہ اسلام کے کسی حق کے ضمن میں‘‘ ـــــ یعنی شہادتین‘ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے ایک مسلمان کو امان مل جائے گی‘ لیکن اگر شریعت کے کسی حکم کے ضمن میں اس حق پر کوئی آنچ آ جائے یا کوئی شرعی حد قائم ہو رہی ہو تو وہ ضرور نافذ ہوگی‘ مثلاً چوری کریں گے تو ہاتھ کٹے گا‘ اسی طرح شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے گا تو اس کو رجم کیا جائے گا اور غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگائے جائیں گے وغیرہ۔ اسلام کا یہ حق ہر مسلمان پر ہے اور اس پر عائد رہے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان تین چیزوں کی وجہ سے آپ کو امان کی ضمانت دے دی گئی ہے تو بس آپ جو چاہے کریں۔

آگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ)) ’’اور باقی رہ گیا حساب تو وہ اللہ کے ذمے ہے‘‘۔ یعنی وہ دل سے ایمان لائے ہیں یا صرف زبان سے اقرار کر رہے ہیں اور ان کے دل ابھی بھی کافر ہیں تو اس معاملے میں میرا کوئی ذمہ نہیں ہے اور نہ اس معاملے میں مجھ سے کوئی محاسبہ کیا جائے گا۔ اس کا حساب اللہ لے گا کہ کون صرف جان بچانے کے لیے جھوٹ موٹ کا ایمان لایا ہے اور کون واقعی دل سے ایمان لایا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا آخری حصہ بھی دہرا لیجیے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ بڑی طویل اور بہت عمدہ حدیث تھی کہ انسان کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو محسوس کرتا ہے کہ وہ اسی ماحول کا ایک جزو ہے۔ اس حدیث کے اخیر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ((وَاِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ)) ’’اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں‘‘ ((حَتّٰى يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ)) ’’یہاں تک کہ وہ (۱) نماز قائم کریں‘ (۲) زکوٰۃ ادا کریں‘‘ ((وَيَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) ’’اور (۳) وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں‘ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے‘ اور (گواہی دیں کہ) محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں‘‘۔ ((فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا وَعَصَمُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا)) ’’پھر جب وہ یہ (تینوں) کام کر گزریں گے تو وہ محفوظ ہو جائیں گے اور وہ بچا لیں گے اپنے مال بھی اور اپنی جانیں بھی سوائے اس کے کہ ان پر کوئی حق آتا ہو‘‘۔

((وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ)) ’’اور ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمے ہے۔‘‘

آپ نے دیکھا ان دونوں احادیث میں ترتیب اور الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے۔ اس حوالے سے میں نے ان سلسلہ ہائے خطابات کے ابتدا میں بیان کیا تھا کہ احادیث کے معاملہ میں کسی لفظی فرق کا واقع ہونا یا الفاظ کی ترتیب کا آگے پیچھے ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ مذکورہ احادیث میں بھی بات ایک ہی ہے بس الفاظ آگے پیچھے ہیں۔ زیر مطالعہ حدیث میں پہلے کلمہ شہادت کا ذکر ہے اور بعد میں نماز اور زکوٰۃ کا‘ جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں پہلے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے اور بعد میں کلمہ شہادت کا۔ پھر کلمہ شہادت کے الفاظ بھی بعینہٖ وہ نہیں ہیں بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی کے ساتھ عَبْدُهٗ کی گواہی بھی شامل ہے۔ اسی طرح زیر مطالعہ حدیث میں ((فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ)) کے الفاظ ہیں‘ جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ((فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا وَعَصَمُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ)) کے الفاظ آئے ہیں۔ مزید برآں زیر مطالعہ حدیث کے آخر میں اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ ہے‘ جبکہ وہاں اِلَّا بِحَقِّهَا کے الفاظ آئے ہیں۔

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کا شانِ نزول

ان دونوں احادیث کے بارے میں یہ جان لیجیے کہ اگر صرف انہی پر نگاہ جما دی جائے اور ان احادیث کا پس منظر اور بقیہ احادیث سامنے نہ ہوں تو بہت بڑی گمراہی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ان احادیث کے متن سے تو صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعے بالجبر پھیلا ہے‘ حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے‘ بلکہ ان احادیث کا ایک خاص پس منظر ہے۔ اس ضمن میں اصولی طور پر جان لیجیے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگر ان کا تاریخی پس منظر سامنے نہ ہو تو انسان ایک مغالطے میں پڑ سکتا ہے۔ اسی تاریخی پس منظر کو اصولِ تفسیر کی اصطلاح میں ’’شانِ نزول‘‘ کہتے ہیں کہ کس معاملے میں‘ کس وقت‘ کب اور کن حالات کے اندر یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

بعینہٖ یہی معاملہ احادیث کا بھی ہے۔ اگر یہ پیش نظر نہ رہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ قول کس دور کا تھا اور کن حالات میں یہ بات کہی گئی تھی تو جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ پھر بہت بڑی گمراہی پیدا ہو جائے گی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کی طویل حدیث ہمارے زیر مطالعہ تھی تو اس وقت ہم نے دوسری احادیث کے حوالے سے ایک بات کو سمجھا تھا کہ درحقیقت قتال فی سبیل اللہ کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس اہم بات کو سمجھانے کے لیے میں نے سورۃ التوبہ کی آیات کے حوالے سے تفصیل سے بات کی تھی۔ آج بھی میں نے آغاز میں سورۃ التوبہ کی دو آیات تلاوت کی ہیں۔ ان آیات کا پس منظر اور شانِ نزول جاننا بہت اہم ہے۔

سورۃ التوبہ کی ابتدائی چھ آیات ۹ ہجری میں اُس وقت نازل ہوئیں جب حج کے لیے قافلہ مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی امارت میں حج کا قافلہ بھیجا تھا۔ وہ قافلہ کافی سفر طے کر چکا تھا جب یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان آیات میں موجود مشرکین مکہ سے متعلق قتل عام کے خصوصی حکم کو دیکھتے ہوئے حضرت علی ؓ کو قافلہ کے پیچھے روانہ کیا اور حکم دیا کہ میرے نمائندے کی حیثیت سے حج کے اجتماع میں ان آیات کا اعلانِ عام کر دو۔ اب ظاہر بات ہے جو قافلہ جا رہا تھا اس کی رفتار سست تھی جبکہ حضرت علیؓ تنہا جا رہے تھے اور تیز رفتار سواری پر تھے تو راستے ہی میں قافلے سے جا کر ملے—— بڑی عجیب بات ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے پہلا سوال یہ کیا: اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ کیا حضور ﷺ نے میرے بجائے آپ کو امیر الحج بنا کر بھیج دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو آپ اِدھر آیئے‘ امارت سنبھالیے اور میں اُدھر بیٹھ جاتا ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے اور آپ میرے مامور ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: مَاْمُوْرٌ! میں امیر نہیں مامور ہوں‘ البتہ یہ جو چھ آیات نازل ہوئی ہیں ان کو پڑھ کر سنانے کا کام حضور ﷺ نے میرے ذمے لگایا ہے—— حضرت علیؓ کو یہ ذمہ داری سونپنے کی ایک خاص وجہ ہے کہ جس قدر اہم بات ان آیات میں کہی گئی ہے وہ جب تک حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس یا آپؐ کا کوئی قریبی عزیز

اس کا اعلان نہ کرتا عام قبائلی زندگی کی رو سے وہ بات مستند نہ سمجھی جاتی۔ وہ اہم بات یہ تھی کہ آج کے بعد سے مشرکین کے ساتھ سارے معاہدات ختم ہیں‘ سوائے ان کے جن کا معاہدہ خاص مدت تک ہو اور انہوں نے اس ضمن میں کوئی خلاف ورزی بھی نہ کی ہو‘ تو ایسے معاہدوں کی مدت پوری کر دی جائے گی۔ لیکن نہ تو آج کے بعد مشرکین کے ساتھ کوئی نیا معاہدہ ہوگا اور نہ کسی معاہدہ کی تجدید ہوگی۔

سورۃ التوبہ کی پہلی آیت میں فرمایا: ﴿بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝۱﴾ ’’اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا (اعلانِ) بیزاری ہے‘‘۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب کوئی عہد و پیمان نہیں‘ کوئی امن و امان کی ضمانت نہیں‘ بس اب مشرکین کے لیے ایک ہی صورت ہے کہ اگر اسلام لے آئیں تو جان بخشی ہوگی۔ اس کے لیے چار مہینے ﴿اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ﴾ کی مہلت ہے۔ اور اگر ان چار ماہ میں ایمان نہیں لاتے تو مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَاحْصُرُوْھُمْ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ﴾ ’’پس قتل عام کرو ان مشرکین کا جہاں بھی پاؤ‘ اور پکڑو ان کو‘ اور گھیراؤ کرو ان کا‘ اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں گھات لگا کر بیٹھو‘‘۔ آگے استثنائی صورت بیان کر دی: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۵﴾ ’’پس اگر وہ توبہ کر لیں (یعنی شرک سے تائب ہو کر کلمہ شہادت کی گواہی دیں) اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ غفور ہے‘ رحیم ہے۔‘‘

نبی اور رسول میں فرق

سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں جو حکم دیا گیا ہے‘ اس کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے‘ جس کے بارے میں جاننے کے لیے نبی اور رسول کے مابین مناسبت کو سمجھ لیجیے۔ نبی اور رسول قرآن کی دو اصطلاحات ہیں اور یہ ان تین اصطلاحات کے جوڑوں میں سے ہیں جو مترادف بھی شمار ہوتے ہیں اور مختلف بھی: (۱) مؤمن اور مسلم‘ (۲) جہاد اور قتال‘ (۳) نبی اور رسول۔ ان کے بارے میں علماء کے نزدیک دو اصول متفق علیہ ہیں۔ پہلا

اصول یہ ہے: **اذا اجتمعا تفرقا و اذا تفرقا اجتمعا** یعنی ان جوڑوں کے دونوں فرد اگر اکٹھے آ جائیں یا قریب قریب ہوں تو ان کے معنی مختلف ہوں گے اور اگر ان کا ذکر دور دور ہو رہا ہے تو یہ مترادف شمار ہوں گے۔ دوسرا متفقہ اصول یہ ہے کہ ان میں سے ایک عام ہے اور ایک خاص۔ مؤمن خاص ہے اور مسلم عام‘ یعنی ہر مؤمن تو لازماً مسلم بھی ہے لیکن ہر مسلم مؤمن نہیں ہو سکتا — حدیث جبریل کی روشنی میں ایمان کی بحث کے ضمن میں ہم یہ بات تفصیل سے پڑھ چکے ہیں — اسی طرح قتال خاص ہے اور جہاد عام‘ یعنی قتال تو لازماً جہاد ہے لیکن جہاد لازماً قتال نہیں ہے۔ اسی طرح رسول خاص ہے اور نبی عام‘ یعنی ہر رسول تو لازماً نبی بھی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہو سکتا۔

اس حوالے سے یہ بھی نوٹ کر لیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ رسولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ایک حدیث کی رو سے انبیاء کرامؑ سوا لاکھ کے قریب آئے ہیں جبکہ رسول صرف ۳۱۳ آئے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ روایت کے اعتبار سے اس حدیث کا درجہ کیا ہے‘ لیکن بہرحال مشہور یہی ہے کہ نبی سوا لاکھ آئے اور یہ عدد ملتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد سے جو خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے تھے‘ جبکہ رسول ۳۱۳ تھے اور یہ عدد ہے اصحابِ بدر کا۔ واللہ اعلم!

نبی اور رسول میں فرق کیا ہے‘ اس میں مختلف لوگوں نے اپنے فہم‘ اپنے فکر اور اپنی سوچ کے مطابق رائے قائم کی ہے۔ بعض نے کہا کہ جو نبی کتاب لے کر آتا ہے وہ رسول ہے۔ یہ رائے صحیح نہیں ہے‘ اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور دی گئی لیکن وہ رسول نہیں‘ نبی تھے۔ بعض نے کہا کہ جو نبی نئی شریعت لے کر آئے وہ رسول ہوتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے‘ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر تو نہیں آئے لیکن وہ رسول ہیں۔ الغرض کوئی تعریف (definition) پوری نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور رسالت میں فرق کچھ اور ہے۔

نبوت مرتبہ اور رسالت عہدہ ہے: نبوت و رسالت میں فرق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جس بات کی طرف میری ہدایت اور رہنمائی کی ہے وہ یہ ہے کہ نبوت ایک

خاص مرتبہ‘ جبکہ رسالت ایک منصب ہے‘ یعنی جب کسی نبی کو کسی خاص جگہ پر تعین کر کے بھیج دیا جاتا تھا تو وہ رسول ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے ہاں سول سروس کے کیڈرز (cadres) ہیں‘ وفاقی سطح پر CSP اور صوبائی سطح پر PCS آفیسرز ہوتے ہیں۔ جو CSP افسر ہے وہ ساری عمر CSP رہے گا‘ اس لیے کہ یہ اس کا مرتبہ ہے‘ البتہ اس کے منصب بدل سکتے ہیں۔ منصب کی حیثیت سے کبھی یہ ڈپٹی کمشنر‘ کبھی کمشنر اور کبھی سیکرٹری ہوگا۔ اسی طرح ایک PCS افسر کبھی تحصیل دار‘ کبھی افسر مال اور کبھی افسر خزانہ لگ سکتا ہے‘ لیکن رہے گا PCS‘ اس لیے کہ یہ اس کا مرتبہ ہے۔

نبوت بھی ایک کیڈر اور مرتبہ ہے اور رسالت منصب ہے۔ جب کوئی نبی کسی خاص مقام اور خاص قوم کی طرف بھیج دیا جائے تو وہ رسول ہو جاتا ہے۔ اس رائے کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ نبی کا لفظ بنا ہے نَبَأ سے‘ بمعنی خبر دینے والا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی طرف وحی بھیجتا ہے اور وہ لوگوں تک اس کا پیغام اور غیب کی خبریں پہنچاتا ہے‘ جبکہ رسول‘ رسل سے ہے‘ بمعنی بھیجا ہوا‘ تو رسول کسی قوم اور علاقے کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

نبی ولی اللہ ہوتا ہے: اس حوالے سے ایک اور بات سمجھئے کہ نبی اپنی ذات میں ولیٔ کامل ہوتا ہے — جو بھی ولی اللہ ہوگا‘ چاہے وہ نبی اور رسول نہیں ہے‘ اُس کی ذات سے خیر پھیلے گا‘ وہ اللہ کی طرف ہی لوگوں کو دعوت دے گا‘ اس لیے کہ یہ تو اس کی فطرت اور نوعِ انسانی کے ساتھ خلوص و اخلاص کا تقاضا ہے۔ اگرچہ ولی اللہ اس کام کے لیے مامور من اللہ نہیں ہے لیکن وہ خیر خواہی تو کرتا رہے گا۔ مثلاً بابا فرید الدین گنج شکر اللہ کی طرف سے مامور (appointed) تو نہیں تھے‘ نہ ان پر وحی آتی تھی‘ لیکن وہ دعوت الی اللہ کا فریضہ بخوبی نبھاتے رہے۔ اسی طرح نبی بھی روحانیت‘ شخصیت اور کردار کے اعتبار سے اللہ کا ولی یا صدیق ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اگر اس پر وحی آ گئی تو وہ نبی ہو گیا۔ اب یا تو وہ نبی ہی رہا‘ رسول بنا ہی نہیں‘ تو بھی وہ دعوت تو دے گا‘ اللہ کے پیغام کو پھیلائے گا‘ لیکن اگر اسے کسی خاص قوم یا علاقہ کی طرف بھیج دیا جائے — جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ”جاؤ فرعون کی طرف کہ وہ سرکش ہو گیا ہے“ — تو

اس اعتبار سے وہ مامور من اللہ ہے اور اب وہ دعوت و تبلیغ صرف اپنی طبیعت کے تقاضے سے نہیں کر رہا ہے' بلکہ یہ اس کا فرضِ منصبی ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے نبیوں کے لیے ''قصص النبیّٖن'' جبکہ رسولوں کے لیے ''انباء الرسل'' کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔

نبی اور رسول کی دعوت کا بنیادی فرق: نبی اور رسول کی حیثیت میں فرق کی بنا پر نبی اور رسول کی دعوت میں بھی ایک بنیادی فرق ہے۔ وہ یہ کہ نبی یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری اطاعت کرو —— قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے' لیکن انہوں نے کسی مرحلے پر بھی یہ نہیں کہا کہ پہلے مجھ پر ایمان لاؤ پھر میں تمہارا ساتھ دوں گا' بلکہ خدمت خلق کے جذبے سے انہوں نے کام کیا۔ ظاہر بات ہے کہ ان پر ان کی قوم تو ایمان نہیں لائی تھی اور نہ ہی انہوں نے مطالبہ کیا تھا' البتہ دعوت انہوں نے جیل میں بھی دی۔ اپنے دو قیدی ساتھیوں کو دعوت دینے کا ذکر قرآن حکیم میں بھی آیا ہے۔ اس دعوت میں آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری اطاعت کرو' بلکہ ان سے کہا:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۰﴾ (یوسف)

''میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ یکتا و غالب؟ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں' اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس کے برعکس رسول کا معاملہ ایسا نہیں ہے' وہ تو اللہ کا نمائندہ بن کر آتا ہے' اس لیے وہ اپنی دعوت کے آغاز ہی میں کہتا ہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میرا حکم مانو۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اَنِ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳﴾ (نوح) ''اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا (رسول) ہوں۔ (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!''

رسول کی تکذیب پر عذابِ استیصال کا نزول: نبی اور رسول کے حوالے سے ایک اور فرق ملاحظہ ہو کہ اگر کسی نبی کی بات نہیں مانی گئی تو قوم پر عذاب نہیں آتا۔ جو لوگ بھی نبی کی دعوت و اصلاح سے مستفید ہو جائیں گے وہ اپنی عاقبت سنوار لیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اگر قوم نے نبی کی دعوت قبول نہ کی تو وہ قوم ہلاک کر دی جائے گی۔ اس کے برعکس رسول اگر اپنی دعوت' اپنے پیغام اور اپنے عمل کے ذریعے سے لوگوں پر اتمامِ حجت کر دے اور وہ لوگ پھر بھی نہ مانیں اور ایمان نہ لائیں تو وہ لوگ مجموعی طور پر سب کے سب عذابِ الٰہی کے ذریعے سے ختم کر دیے جاتے ہیں۔ آپ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن میں قومِ ہودؑ' قومِ نوحؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ' قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون کا ذکر بتکرار آتا ہے کہ ان کی طرف رسول بھیجے گئے۔ انہوں نے انکار کیا تو ان پر ایسا عذاب آیا کہ ساری کی ساری قوم ہلاک ہو گئی —— ایسا عذاب جس سے پوری کی پوری قوم ہلاک ہو جائے اس کو ''عذابِ استیصال'' کہتے ہیں۔ استیصال' اصل سے ہے اور اصل کہتے ہیں جڑ کو' جبکہ استیصال کا معنی ہے: کسی شے کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔ اگر آپ نے کسی پودے کو اوپر سے کاٹ دیا تو امکان موجود ہے کہ اس میں دوبارہ پتے نکل آئیں' پھر شاخیں آ جائیں' لیکن جس درخت کو جڑ سے ہی اکھیڑ دیا جائے تو اس میں کسی بھی قسم کی نشوونما کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

اس کو یوں سمجھئے کہ کوئی فوجی ہمارے ہاں اگر سادہ کپڑوں میں پھر رہا ہے اور کسی نے اس کے خلاف کوئی اقدام کیا تو اس کے جرم کی نوعیت عام شہری کے خلاف اقدام کرنے جیسے ہو گی' لیکن اگر وہ اپنے یونیفارم میں ہے اور آپ نے اس پر حملہ کیا تو یہ حکومت کے خلاف بغاوت شمار ہو گی۔ اسی طرح نبی اور رسول کی تکذیب اور ان کے خلاف اقدام کی نوعیت میں فرق ہے۔

نبی کے برعکس رسول قتل نہیں ہوسکتا: رسول چونکہ اللہ تعالیٰ کا نمائندہ بن کر کسی علاقے میں گیا ہوتا ہے تو وہ کسی صورت قتل اور مغلوب نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے قرآن میں دو ہم عصر شخصیتوں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی مثال موجود ہے۔ سورۂ آل عمران میں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اللہ نے جو مدح کی ہے اس میں آخری جملہ ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹﴾ ''(یحییٰ) نبی ہوگا صالحین میں سے'' آیا ہے' جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدح کے آخر میں فرمایا: ﴿رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ (آیت ۴۹) ''(عیسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا گیا بنی اسرائیل کی طرف'' —— اب یہاں نبی اور رسول کے الفاظ ایک جگہ آ گئے تو ان کا مفہوم جدا جدا ہوگا' بایں طور کہ حضرت یحییٰ نبی اور حضرت عیسیٰ رسول قرار پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر دیا گیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنا تو اللہ نے انہیں زندہ اٹھا لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو جگہ بڑے اہتمام سے فرمایا گیا ہے کہ رسول قتل نہیں ہوسکتا: (۱) سورۃ المجادلہ میں فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ﴾ (آیت ۲۱) ''اللہ نے طے کر لیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آ کر رہیں گے''۔ (۲) سورۃ الصافات میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۷۱ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝۱۷۲ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۱۷۳﴾ ''ہماری یہ بات تو رسولوں کے بارے میں طے ہو چکی ہے کہ لازماً ان کی مدد ہوگی' اور ہمارا لشکر لازماً فتح مند ہوگا'' —— اسی تناظر میں حضرت نوح علیہ السلام کی فریاد آ گئی ہے جس کا تذکرہ سورۃ القمر میں بایں الفاظ آیا: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰﴾ ''پس اس نے اپنے رب کو پکارا (اے رب!) میں تو مغلوب ہوا جا رہا ہوں پس تو بدلہ لے ان سے'' —— البتہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر قتل کا لفظ رسولوں کے ساتھ بھی آیا ہے' لیکن وہاں میرے نزدیک رسول کا لفظ نبی کی جگہ آیا ہے۔ اس حوالے سے میں نے یہ تمہید باندھی تھی کہ نبی اور رسول کا لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوسکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دو بعثتیں

نبی اور رسول کے درمیان مندرجہ بالا نسبت کو بیان کرنے کے بعد اب اصل

موضوع کی طرف آتے ہیں۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دو بعثتوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی خصوصی بعثت بنی اسماعیل یعنی امیین کی طرف تھی اور حضور ﷺ بھی انہی میں سے تھے۔ بفحوائے قرآنی: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعۃ:۲) ''وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر (محمد ﷺ) مبعوث فرمایا'' —— قریش نہ تو پڑھے لکھے لوگ تھے اور نہ ان کے پاس اس سے پہلے کوئی آسمانی کتاب تھی —— آپ ﷺ کی اصل بعثت ان کی طرف ہے اور ان کے لیے آپؐ کی حیثیت رسول کی ہے۔ ثانیاً آپ ﷺ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸) ''اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر''۔ اس اعتبار سے نوعِ انسانی کے لیے آپؐ کی حیثیت نبی کی ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مشابہت

اس ضمن میں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ حضور اکرم ﷺ سے مشابہ ترین رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دونوں صاحبِ کتاب' صاحبِ شریعت اور صاحبِ ہجرت ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی دو بعثتیں ہوئی ہیں۔ ایک بعثت تھی آلِ فرعون کی طرف' لیکن آلِ فرعون نے نہیں مانا تو وہ غرق کر دیے گئے۔ اس لیے کہ آلِ فرعون کے لیے آپؑ بحیثیت رسول مبعوث ہوئے اور اللہ کا قانون ماقبل بیان ہوا ہے کہ رسول کی دعوت کو اگر نہ مانا جائے تو پھر نہ ماننے والوں پر عذابِ استیصال آتا ہے اور پوری قوم ہلاک ہو جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دوسری بعثت بنی اسرائیل کی طرف تھی اور ان کے لیے آپؑ کی حیثیت نبی کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی نافرمانی پر نافرمانی کرتے رہے' لیکن ان کو صرف سزا دی گئی اور ان پر عذابِ استیصال نہیں آیا —— اس سے بڑی نافرمانی کیا ہوگی کہ جب قتال کا حکم ہوا تو انہوں نے کورا جواب دے دیا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ (المائدۃ) ''جاؤ تم اور تمہارا رب جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھے

ہیں‘‘۔اس جواب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنی بیزاری ہوئی کہ آپؑ نے دعا مانگی: ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۝۲۵﴾ (المائدۃ) ’’پروردگار! مجھے اختیار ہے تو بس اپنی جان کا یا اپنے بھائی (ہارون) کی جان کا‘ پس تو ہمارے اور اس ناہنجار قوم کے درمیان تفریق پیدا کر دے‘‘۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بیزاری کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ چھ لاکھ کے مجمع میں سے صرف دو افراد یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا قتال کے لیے تیار ہوئے۔اس طرح حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ملا کر یہ چار ہو گئے۔اب چار آدمی تو جنگ نہیں کر سکتے — اتنے بڑے جرم پر بھی عذابِ استیصال نہیں آیا‘ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت ان کے لیے رسول کی نہیں‘ بلکہ نبی کی تھی۔البتہ اس جرم پر ان کو سزا دی گئی کہ چالیس سال تک ارضِ مقدس سے محروم رہے اور اسی صحرا میں بھٹکتے پھرے۔ان چالیس سالوں کے دوران حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا انتقال ہو گیا اور وہ نسل ختم ہو گئی جس نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا اور اس کی جگہ ایک نئی نسل نے لے لی جو یہاں صحرا میں پیدا ہوئی‘ یہیں پلی بڑھی‘ اس نے مختلف قسم کی سختیاں جھیلیں‘ تب ان کے اندر جہاد کا ولولہ پیدا ہوا اور پھر انہوں نے حضرت یوشع بن نون کی زیر قیادت جہاد اور قتال کیا۔

بنی اسماعیل اور اُمیّین کے لیے عذابِ استیصال کا حکم

اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت بحیثیت رسول امیین کی طرف تھی‘ لہٰذا امیین پر ان کی زبان میں کتاب نازل ہو گئی‘ جبکہ باقی بنی نوع انسان کی زبان میں تو قرآن نازل نہیں ہوا۔اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات امیین کے لیے کوئی اجنبی نہ تھی‘ اس لیے کہ آپؐ انہی میں سے تھے۔دوسری قوموں کے لیے ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ اجنبی تھے۔تو اتمامِ حجت اصلاً امیین پر ہوا ہے۔اب اگر امیین نے نہیں مانا تو وہ عذابِ استیصال کے مستحق ہو گئے تھے کہ ان کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے‘ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہوئی کہ انہیں دو قسطوں میں عذاب دیا گیا۔پہلے تو جیسے بین بجا کر بل میں سے سانپ نکالتے ہیں اس طرح قریش کو مکہ سے نکالا گیا اور میدانِ بدر میں ان کی پیٹھ پر عذاب کا

کوڑا برسایا گیا‘ بایں طور کہ سارے بڑے بڑے سردار ختم ہو گئے۔اس جنگ میں فرشتے بھی مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں کسی کافر کی طرف اسے مارنے کے لیے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ میرے تلوار چلانے سے پہلے ہی اس کی گردن اڑ گئی۔یہ دراصل عذابِ الٰہی کی ایک شکل تھی۔عذاب کی آخری قسط نبی اکرم ﷺ کے آخری دور میں نازل ہوئی جب سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں‘ جن میں مشرکین مکہ کو آخری وارننگ دے دی گئی کہ ایمان لے آؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔لہٰذا سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات عام نہیں ہیں‘ بلکہ اس پس منظر میں ان کا حکم خاص اُمیین اور بنی اسماعیل کے لیے ہے۔

اسی طرح زیر مطالعہ حدیث اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا وہ حصہ جو قبل ازیں میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے‘ یہ دونوں اس پس منظر کے ساتھ خاص ہیں۔اگر یہ پورا پس منظر سامنے نہ ہو اور ان احادیث کو عام سمجھ لیا جائے تو بہت بڑی غلط فہمی اور بہت بڑی گمراہی پیدا ہو سکتی ہے کہ اسلام بالجبر تلوار کے ذریعے پھیلا ہے۔

سورۃ التوبہ کے اندر ہی اہل کتاب کے لیے اس حوالے سے ایک علیحدہ قانون آیا ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو چھوٹے بن کر رہیں اور ہاتھ سے جزیہ دیں۔لیکن یہ امیین اگر نہیں مانیں گے تو ان کا قتل عام ہو گا۔اگرچہ معاملے کی نوعیت بالفعل یہ رہی کہ قتل عام کی نوبت نہیں آئی‘ بلکہ ایک شخص کے قتل کی بھی نوبت نہیں آئی اور سب کے سب ایمان لے آئے اور جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ جزیرہ نمائے عرب کو خیر باد کہہ کر چلے گئے۔

پاکستان کا ’’کافرستان‘‘ اور افغانستان کا ’’نورستان‘‘

اس ضمن میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں چترال کے ساتھ ایک چھوٹا سا علاقہ ’’کافرستان‘‘ ہے اور اس سے بالکل ملحق افغانستان میں ایک علاقہ ’’نورستان‘‘ ہے۔یہ دونوں اصل میں مل کر ایک قوم ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ہم قریشی ہیں۔ہمارے آباء و اَجداد سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہونے اور قتلِ عام

کے اس آخری حکم کے آجانے کے بعد جزیرہ نمائے عرب چھوڑ کر بھاگے تھے اور عراق میں آبسے تھے۔ لیکن جیسے جیسے اسلامی فتوحات کا دائرہ کار بڑھتا گیا تو یہ لوگ بھی آگے بڑھتے گئے اور عراق' ایران' افغانستان سے ہوتے ہوئے چترال سے ملحقہ ان پہاڑی علاقوں تک پہنچ گئے۔ اس طرح یہ سارا علاقہ 'کافرستان' کہلانے لگا۔ لیکن جب احمد شاہ ابدالی کا انگریزوں کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا اور افغانستان وجود میں آیا تو اس علاقے کا ایک ٹکڑا افغانستان میں چلا گیا اور ایک ٹکڑا ہندوستان میں آ گیا جو اَب پاکستان میں ہے۔ افغانستان میں والیٔ کابل امیر دوست محمد خان نے ان لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے' یعنی ان کو الٹی میٹم دے دیا کہ ایمان لاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے تو وہ ایمان لے آئے اور اس کے بعد سے یہ علاقہ 'نورستان' کہلاتا ہے — ان کے ایک عالمِ دین کہتے تھے کہ چونکہ ہم قریشی ہیں لہٰذا مہدی ہم میں سے ہوگا۔ وہ ایک بار یہاں آئے تھے اور ان سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ یہ لوگ مسلک کے اعتبار سے سلفی یعنی اہلِ حدیث ہیں اور شریعت کے بڑے پابند اور پختہ عقائد کے حامل ہیں۔

دوسری طرف اس علاقے کا جو ٹکڑا پاکستان میں ہے وہ آج بھی 'کافرستان' کہلاتا ہے اور وہ اپنے پرانے کفر پر قائم ہیں۔ پاکستانی حکومت نے اس علاقہ کو سیاحت کے لیے محفوظ (preserve) کر رکھا ہے کہ لوگ آئیں اور دیکھیں کہ ان کی روایات (customs) کیا ہیں' ان کی عورتیں ناچتی کیسی ہیں' ان کے لباس کیسے ہوتے ہیں' وغیرہ۔

عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ

سورۃ التوبہ میں قتل عام کے اس آخری حکم کے آجانے کے بعد جزیرہ نمائے عرب سے بھاگنے والوں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ ابوجہل کی طرح وہ بھی اپنی ہٹ کا پکا تھا۔ وہ ایمان نہ لایا اور کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی طرف فرار ہونے لگا — جیسے کبھی مسلمانوں نے اہل مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی — بحیرۂ قلزم (Red Sea) میں طوفان آنے کی وجہ سے کشتی ہچکولے لینے لگی۔ اس پر سب کشتی والوں نے مل کر اللہ کو پکارا: یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نکال لے۔ عکرمہ نے

سوچا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ہم ہبل' لات' عُزیٰ اور منات کو پکارنے کے بجائے ایک اللہ کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری فطرت میں اور دلوں میں لات' منات' عُزیٰ' ہبل وغیرہ نہیں بلکہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اسی اللہ کی طرف تو محمد ﷺ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ واپس لوٹے' ایمان لے آئے اور صادق الایمان ثابت ہوئے۔ پھر انہوں نے جہاد کے کئی معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہادت کا بلند درجہ حاصل کیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

قتال کی تین صورتیں

قرآن حکیم اور سیرت النبی ﷺ میں ہمیں قتال کا معاملہ تین سطحوں پر ملتا ہے۔

قتال کی پہلی صورت: یہ قتال حضور ﷺ کا بنیادی فریضہ تھا کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے قتال کرنا جبکہ دعوت وتبلیغ کے ذریعے سے اتمام حجت ہو چکا ہو' اور دوسری طرف ایک معتد بہ تعداد میں لوگ تیار ہو چکے ہیں جو دین پر عمل پیرا ہوں' منظّم بھی ہوں' اور جان دینے کو تیار ہوں۔ یہ دو شرطیں جب پوری ہو جائیں تو پھر جو بھی راستے میں مزاحم ہے اس سے قتال ہوگا۔ اسے ''قتال فی سبیل اللہ'' کہا جاتا ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کی چوٹی (top) ہے۔ دیکھئے' حضور اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کے پہلے پندرہ برس تک دعوت وتبلیغ' وعظ و تلقین' نصیحت' تربیت' تزکیہ اور تعلیم پر زور دیا۔ یہ سب کچھ بھی جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ پھر اس کے بعد قتال شروع ہو گیا اور واضح کر دیا گیا کہ جب تک دین غالب نہ ہو جائے اور فتنہ ختم نہ ہو جائے یہ قتال جاری رہے گا۔ یہ قتال گویا آخری مرحلہ ہے جہاد فی سبیل اللہ کا' لیکن اس کے لیے کچھ شرائط ولوازم ہیں۔ پہلے حقیقی ایمان دلوں میں راسخ کیا جائے' شریعت کو اپنی ذات اور اپنے گھر پر نافذ کیا جائے۔ پھر ایسے لوگوں کی تربیت اور تزکیہ کیا جائے' ان کو نظم وضبط کا خوگر بنایا جائے اور ایک جماعت کی صورت میں ایک امیر کے پیچھے چلنے والا بنایا جائے۔ یہ سب پاپڑ پیلنے پڑتے ہیں تب جا کر قتال کی منزل آتی ہے۔

یہ قتال آج بھی ہو سکتا ہے کہ کسی غیر مسلم اکثریت والے ملک میں چند مسلمان اٹھ

کھڑے ہوں۔ وہ دعوت دیں اور ان کی دعوت کے نتیجے میں اگر وہاں معتد بہ تعداد میں لوگ ایمان لے آئیں تو وہ اپنی جماعت بنائیں‘ اور اگر ضرورت پڑے تو قتال کریں۔ اس کے نتیجے میں وہاں پر زمین کا جو حصہ بھی ان کو مل جائے اس میں اللہ کا دین قائم کرلیں۔ اس طرح کی صورتِ حال کسی مسلمان ملک میں بھی پیش آ سکتی ہے۔ یعنی اگر کہیں مسلمان حکمران ہی شریعت کے نفاذ اور اسلام کے نظام کے قیام کی راہ میں رکاوٹ بنے بیٹھے ہوں تو ان کے خلاف بھی قتال ہوسکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے اور میں اس کا قائل ہوں۔ اہل حدیث حضرات اس معاملے میں بہت نرم ہیں اور ان کا موقف ہے کہ مسلمان حکمران خواہ کیسے بھی ہوں ان کے خلاف خروج‘ بغاوت اور قتال نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب ممالک میں آمر اور بادشاہ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور انہیں کوئی خطرہ نہیں‘ جبکہ ایرانیوں نے ہمت کر کے بادشاہ کو بھگا دیا اور اس کے لیے جان بچانی مشکل ہوگئی۔ میرے نزدیک ایک قتال تو یہ ہے اور قرآن مجید میں اکثر و بیشتر جو قتال کا حکم آیا ہے وہ اسی قتال سے متعلق ہے۔

اس وقت دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان ہیں اور وہ بس نام کے مسلمان ہیں۔ اگر ہم واقعی مسلمان ہوتے تو کیا دنیا میں یوں ذلیل و خوار ہوتے؟ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں کے کسی ملک میں حکومت بھی اسی طرح کے نام نہاد مسلمانوں کی ہوگی۔ اگر کوئی تحریکِ اسلامی اس حد تک پہنچ جائے کہ دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے اس کی جانب سے لوگوں پر اتمامِ حجت بھی ہوگیا ہو اور ایک جماعت ’’حزب اللہ‘‘ بھی ایسی تیار ہو چکی ہو جو خود بھی اللہ کے احکام پر کاربند ہو اور وہ منظم ہو کر ایک امیر کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم بھی کر لے تو پھر چاہے وہ حکومت نام کے مسلمانوں کی ہو ان کے خلاف بھی قتال جائز ہے۔ اس قتال کو کوئی حرام قرار نہیں دے سکتا۔ یہ کام صرف جھوٹے مدعیٔ نبوت غلام احمد قادیانی نے کیا کہ قتال کو حرام قرار دے دیا۔ ع ’’دیں کے

لیے حرام ہے اب دو ستو قتال‘‘!— اس اعتبار سے بہت گمراہ کن بات ہے اس لیے کہ قتال تو قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ اُمَّتِي الدَّجَّالَ))(۱) ’’جہاد اس وقت سے جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا اور (جاری رہے گا) یہاں تک کہ میری امت کا آخری حصہ دجال سے جنگ کرے گا۔‘‘

البتہ یہ ضرور ہے کہ آج کے حالات میں اس کا ایک متبادل بھی موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومتیں آج کل بہت طاقتور ہیں اور ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں مسلح افواج ہیں‘ بری‘ بحری اور فضائی فورسز ہیں‘ ہوائی جہاز‘ گن شپ ہیلی کاپٹرز اور ٹینک ہیں‘ جبکہ عوام بالکل نہتے ہیں‘ اس لیے مقابلہ بالکل غیر مساوی (unequal) ہے۔ تو اس کا بدل یہ ہے کہ ایک منظم‘ پرامن عوامی تحریک برپا کی جائے جو حکومت کو بہا لے جائے۔ اس میں قربانیاں دینی پڑیں گی۔ جو لوگ بھی یہ کام کریں گے ان پر ملک کی فوج گولیاں چلائے گی‘ راکٹ برسائے گی‘ لیکن بالآخر کچھ عرصے کے بعد فوج ہاتھ اٹھا دے گی کہ ہم اپنے ہم وطنوں کو مزید قتل نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں ۱۹۷۷ء کی تحریک میں ایسا ہو چکا ہے اور ایران میں بھی یہی ہوا تھا۔

قتال کی دوسری شکل: دوسری نوعیت کے قتال کا بس حکم آیا ہے اور وہ بالفعل ہوا نہیں ہے۔ اس کا ذکر سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات اور ہمارے زیر مطالعہ احادیث میں ہوا ہے۔ اس کو قتال نہیں‘ بلکہ قتل عام کہنا چاہیے‘ اس لیے کہ یہاں لفظ قتال نہیں آیا بلکہ کہا گیا ہے: ﴿فَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ ’’قتل کرو انہیں جہاں بھی تم انہیں پاؤ‘‘۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قتال تو دو گروہوں کے درمیان ہوتا ہے جبکہ وہ تو مقابلے میں تھے ہی نہیں‘ ان کی جڑ تو بدر میں ہی کٹ گئی تھی۔ ان کی قوت ختم اور ان کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ درحقیقت یہ ان کے قتل عام کا حکم تھا‘ اگرچہ اس کی نوبت نہیں آئی‘ بایں طور کہ ان کی اکثریت ایمان لے آئی اور باقی عرب سے بھاگ گئے۔

(۱) سنن ابی داؤد‘ کتاب الجهاد‘ باب فی الغزو مع ائمة الجور۔

قتال کی تیسری شکل: قتال کی تیسری شکل جو ہمیں قرآن حکیم اور سیرت النبی ﷺ سے ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ملک میں اسلامی انقلاب آ جائے اور اسلام بطورِ دین غالب آ جائے تو اسے آگے پھیلانے کے لیے قتال کرنا۔ اس قتال کا ذکر سورۃ التوبہ ہی کی آیت ۱۲۳ میں ہوا ہے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (التوبۃ)

''اے اہل ایمان! قتال کرو ان کفار سے جو تم سے متصل ہیں (یعنی تمہاری سرحدوں کے ساتھ ساتھ ہیں) اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔ اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔''

حضور اکرم ﷺ کے دور میں دو بڑی جنگوں کا معاملہ شروع ہو گیا تھا' ایک شام سے ہو کر سلطنتِ روم تک اور دوسری عراق سے ہو کر سلطنتِ ایران تک۔ شام کے خلاف جو فوج کشی ہوئی اس کا ایک سبب بظاہر موجود تھا کہ وہاں کے حکمران نے حضور ﷺ کے ایک ایلچی کو شہید کر دیا تھا۔ ایلچی کا قتل یقینی طور پر اعلانِ بغاوت ہوتا ہے' چنانچہ ان پر فوج کشی کی گئی' لیکن اس کا اصل سبب دین اسلام کو آگے سے آگے پھیلانا تھا۔ اس بات کو تقویت اس سے ملتی ہے کہ ایران نے تو کچھ نہیں کیا تھا' پھر بھی اس کے خلاف قتال اس لیے کیا گیا کہ اس دین کو پوری دنیا میں پھیلانا ہے۔ یہ دین صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ یہ پوری دنیا کے لیے آیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایران میں فوج کشی کی گئی۔ لہٰذا سورۃ التوبہ کی یہ آیت ۱۲۳ بہت اہم ہے۔ اصل میں سورۃ التوبہ تقریباً آخری زمانے کی سورت ہے اور اس میں جو احکام آئے ہیں وہ حتمی ہیں۔

ہمارے ہاں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ''میثاقِ مدینہ'' کو اسلام کا دستور قرار دے کر ایک بہت بڑا مغالطہ پیدا کر دیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ میثاقِ مدینہ تو مدینہ کے مشترکہ دفاع (Joint defence) کا ایک معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کر کے انہیں جکڑ لیا کہ اب اگر مدینہ پر حملہ ہو گا تو ہم سب مل کر حملہ آور سے جنگ کریں گے اور مدینہ کا دفاع کریں

گے۔ یہ تو ان کی اپنی بدعہدی تھی جس کی وجہ سے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا گیا۔ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کی بالادستی قائم ہونے کے بعد وہاں پر آباد یہود و نصاریٰ کو اختیار دے دیا گیا کہ یا تو اسلام لے آئیں یا جزیہ دیں' یعنی اسلام کی بالادستی تسلیم کریں۔ اگر یہ دونوں منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

اس کے بعد مسلمان فوج جہاں بھی گئی وہاں انہوں نے یہی تین متبادل مطالبات (alternatives) پیش کیے: پہلی صورت یہ کہ اسلام لے آؤ' ہمارے برابر کے ہو جاؤ گے۔ ہم یہ بھی نہیں کہیں گے کہ ہم سینئر مسلمان ہیں تم جونیئر مسلمان اور ہمارے حق زیادہ ہیں تمہارے کم ہیں۔ بلکہ ''المُسلم کفوٌ لکل مُسلم'' کا اصول لاگو ہو گا۔ اگر ایمان نہیں لاتے تو دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے دین کی بالادستی قبول کرو' نیچے ہو کر رہو اور اپنے ہاتھوں سے جزیہ دو۔ اگر یہ بھی قبول نہیں تو تیسری صورت یہ ہے کہ آؤ میدان میں۔ پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ اسی کے ضمن میں یہ آیت ہے جس پر توجہ بہت کم ہوتی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ﴾۔ ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوری طور پر چین سے تو جنگ نہیں کر سکتے تھے' صرف انہی سے کر سکتے تھے جن کی سرحدیں عرب کے ساتھ ملتی ہیں —— دیکھئے جزیرہ نمائے عرب کے ایک طرف خلیج' دوسری طرف بحیرۂ قلزم اور نیچے بحیرۂ عرب ہے۔ اب دو ہی ملک تھے' ایک عراق جو ایران کے تابع تھا' لہٰذا عراق سے ہو کر ایران' جبکہ دوسری طرف شام' جو تابع تھا روم کے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ نے ان سے جہاد کیا اور ان کو فتح کر کے اسلامی ریاست کا حصہ بنایا۔

میں نے کئی مرتبہ یہ بات واضح کی ہے کہ آج کے دور میں اللہ کے دین کا قیام قتال کے بغیر بھی ممکن ہے اور اس کے لیے غیر مسلح بغاوت اور پُرامن عوامی تحریک' ان شاء اللہ' کفایت کر جائے گی۔ اسی طرح ایک دفعہ دنیا میں کہیں اسلام قائم ہو جائے تو پھر اس کو پھیلانے کے لیے فوج کشی کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا نظام پوری دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہو گا۔ ٹیلی ویژن' اخبارات اور انٹرنیٹ کے

ذریعے پوری دنیا کے لوگ دیکھ رہے ہوں گے کہ انہوں نے کس قدر عمدہ نظام بنا دیا ہے تو کون نہیں چاہے گا کہ اچھی چیز کو اختیار کرے۔ ان شاء اللہ اسی کے ذریعے سے بات پھیل جائے گی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آج کے دور میں بھی قتال حرام نہیں ہے اور آیاتِ قتال کا حکم آج کے لیے بھی ہے۔ اگر کہیں اس کا موقع ہو تو پھر فوج کشی کر کے پڑوسی ملک کو دین اسلام کے تابع لایا جا سکتا ہے۔

ربّ العالمین کا قانونِ عذابِ استیصال

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا' سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد بنی اسماعیل کے لیے کوئی اختیار نہیں تھا' ان کے لیے بس یہی ایک آپشن تھا کہ اسلام لے آؤ' ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ ایسا کیوں ہوا' اس بارے میں نوٹ کر لیں کہ یہ سنت اللہ کے تحت ہوا ہے۔ سابقہ اقوام کے بارے میں بھی اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جس قوم کی طرف کسی رسول کو بھیجا گیا اور اس نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے اتمامِ حجت کر دیا' لیکن پھر بھی وہ قوم کفر پر اڑی رہی اور ان میں سے اتنے لوگ بھی ایمان نہیں لائے کہ وہ اپنی قوم کے خلاف جنگ کر سکتے تو اس کے بعد یہ شکل ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذابِ استیصال آتا اور اس قوم کو نسیاً منسیاً کر دیا جاتا۔

اس حوالے سے چھ قوموں قومِ نوح' قومِ ہود' قومِ صالح' قومِ لوط' قومِ شعیب اور آلِ فرعون کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آتا ہے کہ جو اس قانونِ الٰہی کے تحت ہلاک کر دی گئیں۔ اس ضمن میں سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۰ خصوصی اہمیت کی حامل ہے' جس میں اس عذابِ استیصال کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا: ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اُس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا''۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ﴾ ''تو ان میں وہ بھی تھے جن پر ہم نے زور دار آندھی بھیجی'' —— یہ آندھی قومِ لوطؑ پر بھی آئی تھی جو زلزلے سے تلپٹ ہو جانے والی بستیوں پر پتھراؤ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس سے پہلے قومِ عاد پر بھی آندھی کا عذاب آیا تھا' جس کا ذکر سورۃ الحاقہ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ

عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۙ﴿۷﴾﴾ ''اور قومِ عاد کے لوگ ہلاک کیے گئے تیز آندھی سے' جو ان پر مسلط کر دی گئی سات راتیں اور آٹھ دن تک' برباد کر دینے کے لیے' پس تو دیکھتا ان لوگوں کو جو گری ہوئی کھجوروں کے تنوں کی طرح پچھڑے پڑے تھے''۔ روایات میں آتا ہے کہ اس ہوا میں کنکر اور پتھر بھی تھے جو گولیوں اور میزائلوں کی طرح انہیں نشانہ بناتے تھے اور وہ آندھی اتنی زوردار تھی کہ انسانوں کو زمین پر پٹخ پٹخ کر پھینکتی تھی۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ﴾ ''اور ان میں وہ بھی تھے جنہیں چنگھاڑ نے آ پکڑا''۔ اس سے قومِ ثمود کے لوگ اور اہل مدین مراد ہیں جن پر ایک زوردار آواز آئی جس کے نتیجے میں سب ہلاک ہو گئے —— واضح رہے کہ قیامت والی عظیم ہلاکت بھی ایک آواز ہی سے ہو گی۔ آپ نے مسجدوں میں دیکھا ہو گا کہ نماز کے دوران کسی وقت لاؤڈ سپیکر اَپ سیٹ ہو کر چیخ مارنی شروع کر دے تو واقعہ یہ ہے کہ نمازیوں کی جان پر بن جاتی ہے۔ اس اعتبار سے تیز آواز میں بھی ہلاکت خیزی موجود ہے۔

آگے فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ﴾ ''اور ان میں ان میں وہ بھی تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا''۔ اس ضمن میں قارون کا ذکر سورۃ القصص' آیت ۸۱ میں ہوا ہے' جہاں فرمایا گیا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۠﴾ ''تو ہم نے اُسے اور اُس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قارون ''خسف فی الارض'' کے عذاب کا شکار ہو گیا۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ﴾ ''اور ان میں وہ بھی تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا''۔ غرق کیے جانے کا عذاب دو قوموں پر علیحدہ علیحدہ طریقے سے آیا تھا۔ قومِ نوحؑ کو تو ان کے گھروں اور شہروں میں ہی غرق کر دیا گیا تھا' جبکہ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو محلوں اور آبادیوں سے نکال کر سمندر میں لے جا کر غرق کیا گیا۔ آخر میں فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا' بلکہ وہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

عذابِ استیصال کے قانون میں یہود کا استثناء

اللہ تعالیٰ کے قانونِ عذابِ استیصال کے ضمن میں یہ نوٹ کرلیں کہ اس میں ایک استثناء موجود ہے اور وہ یہودیوں کا استثناء ہے —— یہود کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا: ﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ﴾ (الصف:٦) ''اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (بنا کر بھیجا گیا) ہوں'' —— حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت پوری دنیا کے لیے نہیں تھی۔ پوری دنیا کے لیے تو صرف ایک ہی رسول بھیجے گئے اور وہ محمد ﷺ ہیں۔ آپؐ سے پہلے سارے رسول اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے —— بنی اسرائیل نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ ان پر بے ہودہ الزام لگایا' انہیں جادوگر' کافر اور مرتد قرار دیا (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) اور بالآخر اس قوم نے حضرت مسیحؑ کو اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھوا کے دم لیا۔ اس نافرمانی پر وہ عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے لیکن ان پر عذاب نہیں آیا۔ کیوں نہیں آیا؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی مشیت ہے' البتہ اس کی ایک توجیہہ میرے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سارے معاملے کو اشتباہ میں ڈال دیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور سولی پر نہیں چڑھنے دیا گیا۔ پھر سولی پر کون چڑھا' اس کے بارے میں خود انجیل برنباس یہ بتاتی ہے کہ یہوداسکریوتی جو بارہ حواریوں میں سے ایک تھا اور جس نے غداری کر کے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کروایا' اس کی شکل بدل کر حضرت مسیحؑ کی سی کر دی گئی اور وہ پکڑا گیا اور سولی چڑھا —— وہ اس کا مستحق تھا کہ غداری کی سزا اسے ملنی چاہیے تھی۔ یہ نہیں کہ کسی بے قصور انسان کو پکڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل بنا دی جاتی اور اسے سولی پر چڑھا دیا جاتا —— بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا اور قوم کو مہلت دے دی۔ وہ مہلت ابھی تک جاری ہے' چل رہی ہے' لیکن قانونِ خداوندی نافذ ہو کر رہے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے اور انہی کے ذریعے سے ان کی قوم

(بنی اسرائیل) پر عذابِ استیصال نافذ ہوگا۔ اس کا ہونا یقینی ہے اور اس کی خبریں صحیح اور متفق علیہ احادیث میں موجود ہیں' جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ رفعِ مسیحؑ اور نزولِ مسیحؑ یہ دونوں چیزیں ہمارے ایمان و یقین میں شامل ہیں' اس لیے کہ یہ باتیں اتنی واضح اور تواتر سے ثابت ہیں کہ ان کا انکار گویا قرآن و حدیث کا انکار ہو جائے گا —— اس کے باوجود ایسے بدبخت لوگ موجود ہیں جو اتنی پختہ بات کا انکار کرتے ہیں —— بہر حال یہ ہونا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ان کا آخری انجام ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص ''مسیح'' ہونے کا دعویٰ کرے گا اور وہ دراصل مسیح الدجال (Anti Christ) ہوگا جسے حضرت مسیح علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے ختم کریں گے۔ اس کے بعد یہودیوں کا قتل عام ہوگا اور کوئی یہودی نہیں بچے گا۔ البتہ عیسائیوں کے پروٹسٹنٹس فرقہ میں سے Evengelists جو آج کل بہت زیادہ فعال ہیں' ان کا ایک رسالہ ''The Philadelphia Trumpt'' امریکہ کے شہر فلاڈلفیا سے نکلتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ اسی (٨٠) فیصد یہودی قتل ہو جائیں گے' صرف بیس فیصد باقی بچیں گے۔ یہ بات اس طرح درست ہو سکتی ہے کہ یہودیوں میں سے بیس فیصد حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کے بعد ایمان لے آئیں اور اس طرح وہ بچ جائیں' لیکن جو بھی کفر پر اڑا رہے گا وہ لازماً قتل ہوگا۔ احادیث میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپے گا تو پتھر بولے گا: اے مسلمان بھائی! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اسے قتل کرو۔ کسی درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ درخت بھی بولے گا' سوائے ایک درخت ''غرقد'' کے' جس کی انہوں نے اسرائیل میں بڑے پیمانے پر کاشت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری احادیث کو جانتے ہیں۔

اس حوالے سے سمجھ لیجیے کہ قانونِ خداوندی ختم نہیں ہوا' بس تھوڑا سا وقفہ ڈال دیا گیا ہے۔ فیصلہ تو سنا دیا گیا ہے' لیکن اس کی تنفیذ (execution) مؤخر کر دی گئی ہے۔ عمل درآمد لازماً ہوگا' لیکن ہوگا حضرت مسیحؑ کے نزول کے بعد جو ان کے رسول تھے۔ دوسری طرف حضرت مسیحؑ جب آئیں گے' رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ((یُکَسِّرُ الصَّلِیْبَ

وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ)) کے مطابق‘ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ یہ دو چیزیں عیسائیوں نے خود گھڑ لی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر مصلوب ہوئے اور انہوں نے صلیب کو اپنا قومی نشان بنا لیا۔ حضرت مسیحؑ کہیں گے کہ میں تو صلیب ہوا ہی نہیں‘ تم نے کیا کہانی بنا رکھی ہے؟ لہٰذا صلیب اور عقیدۂ صلیب ختم‘ چنانچہ عیسائیت بھی ختم۔ اس لیے کہ موجودہ عیسائیت تو قائم ہی عقیدۂ صلیب پر ہے۔ دوسرے یہ کہ ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت چلی آ رہی تھی جس میں خنزیر کا گوشت حرام تھا‘ لیکن انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ حضرت مسیحؑ آ کر کہیں گے کہ تم نے غلط کام کیا اور پھر اپنے ہاتھ سے خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ اس طرح عیسائیت بحیثیت مذہب ختم ہو جائے گی اور سب کے سب عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ اس طرح عیسائی اور مسلمان مل کر ایک اُمت واحدہ بنیں گے اور یہودی سب کے سب قتل ہو جائیں گے۔ ان میں سے اگر کسی کے بچنے کا امکان ہے تو صرف ان کا جو حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

اُمتِ مسلمہ اور بنی اسرائیل میں مشابہت

اب میں ڈرتے ڈرتے اپنا خیال عرض کر رہا ہوں کہ دو ہزار برس پہلے انہوں نے حضرت مسیحؑ کو اپنے بس پڑتے گویا سولی پر چڑھا دیا تو یہ اسی وقت عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے‘ پھر ان کو سزا میں دو ہزار سال کا وقفہ کیوں دیا گیا۔ میرے نزدیک اس کی جو توجیہہ ہے (اور ظاہر ہے یہ حتمی اور یقینی بات نہیں ہے) وہ میں بیان کر رہا ہوں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عذاب بنی اسرائیل پر آئے ہیں وہ سب کے سب امت مسلمہ پر بھی آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))

’’میری اُمت پر بھی وہ سب احوال آ کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے بالکل ایسے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔‘‘

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے اور ترمذی شریف کی روایت ہے۔ اس حوالے سے میں نے اپنی کتاب ’’سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا

ماضی حال اور مستقبل‘‘ میں اُمت مسلمہ اور بنی اسرائیل پر آنے والے عذابوں کا موازنہ (compair) کر کے دکھا دیا ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ہماری اور سابقہ اُمتِ مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کی تاریخ میں حد درجہ حیرت انگیز مشابہت موجود ہے‘ اس پہلو سے کہ یہود پر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے دو دَور آئے اور ہم پر بھی دو ہی دَور آئے‘ اور جس طرح بنی اسرائیل کی تولیت کے زمانے میں بیت المقدس کے ناموس کا پردہ ؎

اِسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک!

کے مصداق دو بار چاک ہوا اسی طرح ہمارے عہد تولیت میں بھی مسجد اقصیٰ کی حرمت دو ہی مرتبہ پامال ہوئی۔

دیکھئے! بنی اسرائیل پر پہلا عذاب آیا شمال سے آشوریوں اور اہلِ بابل کے ہاتھوں‘ جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝﴾

’’پس جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت جنگجو بندے تم پر مسلط کر دیے جو شہروں کے اندر پھیل گئے۔ اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔‘‘

بعینہٖ ایسا ہی حال مسلمانوں کا بھی ہوا ہے شمال سے آنے والے عیسائیوں کے ہاتھوں۔ اس صلیبی جنگ میں نہ صرف مسجد اقصیٰ کے ناموس کا پردہ چاک ہوا‘ بلکہ بیت المقدس میں وہ قتل عام ہوا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مغربی مؤرخین بھی کانپ جاتے ہیں۔ اس کے بعد یہود پر دوسرا عذاب مشرق کی جانب سے بخت نصر کے ہاتھوں آیا‘ جبکہ مسلمانوں پر بھی دوسرا عذاب مشرق کی جانب سے تاتاریوں کے ہاتھوں آیا اور اس فتنۂ تاتار نے پہلے افغانستان اور ایران کو پامال کیا اور ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگا دیے اور بالآخر بغداد میں وہ تباہی مچائی کہ رہے نام اللہ کا۔ لاکھوں مسلمان تہ تیغ ہوئے‘ بغداد کی گلیاں خون کی ندیاں بن گئیں اور الف لیلہ کے اس رومانوی شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی‘ اور بعینہٖ وہ کیفیت پیدا ہو گئی جو کم و بیش دو ہزار سال قبل بخت نصر کے حملے سے بیت المقدس کی ہوئی

تھی۔اس کے بعد یہودیوں پر عذاب آیا سکندر اعظم اور سلوکس' جو بعد میں سکندر کا سپہ سالار بنا تھا' کے ہاتھوں اور پھر اس کے بعد رومیوں کے ہاتھوں۔اسی طرح اس اُمت پر بھی عذاب آیا ہے مغربی یورپی ممالک (برطانیہ' فرانس' اٹلی' سپین) کے ہاتھوں۔اس کے بعد پچھلی صدی میں یہودیوں پر آخری عذاب ''ہولوکاسٹ'' آیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کو جرمنوں نے قتل کیا۔اگر یہ تعداد ساٹھ لاکھ کے بجائے چھ لاکھ بھی ہو تو بھی بہت بڑا عذاب ہے۔یہ عذاب ابھی اس اُمت پر آنا ہے اور میں ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں کہ یہ عذاب اُمت کے بہترین حصہ پر آئے گا اور وہ اہل عرب' اُمیین اور بنی اسماعیل ہیں۔

اس وقت پوری اُمت مسلمہ مجرم ہے' اس لیے کہ دنیا کے کسی ایک کونے میں بھی ہم نے اسلام کو بطورِ نظام نافذ نہیں کیا۔ہم دنیا والوں کو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی یہاں موجود ہے' اپنی آنکھوں سے آ کر مشاہدہ کر لو' اس کی برکات آ کر دیکھ لو۔اس روئے ارضی کے ایک انچ پر بھی ہم اسلام کو نافذ نہیں کر سکے۔تو پوری امت مسلمہ بحیثیت مجموعی مجرم ہے' لیکن عربوں کی حیثیت سب سے بڑے مجرموں کی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر عربوں کے لیے تو قرآن اجنبی زبان میں ہے' جبکہ عربوں کی تو اپنی زبان میں قرآن ہے۔اس کے ساتھ ان کو ایک رتبہ بھی ملا تھا کہ نبی آخر الزماں ﷺ ان میں سے تھے۔ ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے'' کے مصداق جن کا مقام اونچا ہوتا ہے ان کا محاسبہ بھی سخت ہوتا ہے۔اس لیے وہ بڑے مجرم ہیں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہیں۔یہ عذاب تیسری جنگ عظیم کی صورت میں عربوں پر یہودیوں کے ہاتھوں آنا ہے۔اس جنگ کو احادیث مبارکہ میں ''**المَلحَمة العُظمٰی**'' اور بائبل میں ہرمجدون (Armageddon) کہا گیا ہے۔آپ اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ اس کے لیے فضا تیار ہو رہی ہے۔جنگ کا میدان مشرقِ وسطیٰ کے عرب ممالک بنیں گے۔یورپ تو پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اپنا حصہ ادا کر چکا' بایں طور کہ ان جنگوں میں کروڑوں یورپین قتل ہوئے۔وہ کہتے ہیں کہ اب جو تیسری جنگ ہو گی وہ ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں ہو گی اور اس جنگ میں پہلی دو جنگوں سے زیادہ لوگ قتل ہوں گے۔

احادیث میں تو یہاں تک الفاظ آئے ہیں کہ اگر ایک شخص کے سو بیٹے ہوں گے تو ننانوے قتل ہو جائیں گے' صرف ایک بچے گا۔اسی طرح حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ زمین پر اتنی لاشیں پڑی ہوں گی کہ ایک پرندہ اڑتا چلا جائے گا' اڑتا چلا جائے گا' مگر اسے اتنی جگہ بھی نہیں ملے گی کہ زمین پر اُتر سکے۔ہر طرف لاشیں ہی لاشیں ہوں گی' یہاں تک کہ تھک ہار کر اس کے بازو شل ہو جائیں گے تو وہ لاشوں پر ہی گرے گا۔ایک تو مردار خور پرندے ہوتے ہیں جو لاشوں پر جھپٹتے ہیں اور مردار کھاتے ہیں' وہ چاہے کوے ہوں یا گدھ ہوں' لیکن جو نفاست پسند پرندہ ہے وہ کبھی بھی گندگی پر نہیں اترتا۔

ایسا کیوں ہو گا؟ اس کے لیے میری توجیہہ یہ ہے کہ اس اُمت کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور امت کا بہترین حصہ اہل عرب ہیں۔آج عرب ممالک میں ارب ہا ارب ڈالر کے محل بنائے جا رہے ہیں۔سیون سٹار ہوٹل عرب ممالک میں بن رہے ہیں جہاں پر داخلہ کئی سو ڈالر دے کر ہوتا ہے۔اس طرح انہوں نے اپنی ساحلی سڑکیں اس خوبصورتی سے سجائی ہیں کہ اس قدر حسین مناظر میں نے پورے امریکہ میں کہیں نہیں دیکھے۔یہ سب نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے عین مطابق ہے۔آپ ﷺ نے اہلِ عرب کے حوالے سے فرمایا تھا: ((يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ)) ''یہ اونچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔''

اس اُمت کے افضل حصہ پر جو اللہ کا عذاب آنا ہے وہ ان یہودیوں کے ہاتھوں آئے گا۔عربوں کی پیٹھ پر عذاب کا کوڑے پڑے گا اور عرب میں لاشیں ہی لاشیں ہوں گی۔اس حوالے سے مولانا اصلاحی صاحب ایک کہاوت بیان کیا کرتے تھے۔ان کے علاقے میں ایک رواج تھا کہ اگر کوئی راجپوت نوجوان بڑی گری ہوئی حرکت کرتا تھا تو اس کے سر پر چمار کے ہاتھوں جوتے لگوائے جاتے تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ راجپوت کے سر پر اگر راجپوت کا جوتا پڑے تو تکلیف تو ہوتی ہے لیکن اتنی بے عزتی محسوس نہیں ہوتی' جبکہ جب چمار کا جوتا پڑے گا تو اس کو انگریزی میں کہتے ہیں to add insult to injury یعنی جوتے لگنے کی جو تکلیف ہونی ہے وہ تو ہونی ہے لیکن اس تکلیف کے ساتھ ساتھ

بے عزتی (insult) بھی ہے۔ اسی طرح یہودی دین الٰہی کے اعتبار سے چمار ہیں' مغضوب علیہم قوم ہیں۔ دوسری طرف اہل عرب انسانوں میں سے افضل ترین ہیں' اس لیے کہ ان ہی میں سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہیں جو تمام انبیاء و رسل میں افضل ترین ہیں۔ الغرض افضل ترین انسانوں کو ان چماروں کے ہاتھوں سزا دی جائے گی۔ اس میں تکلیف تو ہوگی ہی' لیکن ایک طرح کی ہتک (insult) بھی ہوگی۔ میری رائے کے مطابق اللہ نے یہودیوں کو جو تھوڑی سی مہلت دی ہے تو یہ مسلمانوں کی آزمائش کے لیے ہے۔

عظیم تر اسرائیل ہی یہود کا عظیم تر قبرستان بنے گا

اس کے بعد یہود عرب اور مشرق وسطیٰ پر چھا جائیں گے اور ''عظیم تر اسرائیل'' وجود میں آئے گا —— اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل ابھی بہت چھوٹا سا ملک ہے اور وہاں پر صرف تیس پینتیس لاکھ یہودی ہیں' جبکہ پوری دنیا میں ان کی تعداد سوا کروڑ ہے' اور ظاہر بات ہے کہ سوا کروڑ اس چھوٹے سے ملک میں تو نہیں سما سکتے' ان کو ایک گریٹر اسرائیل چاہیے۔ پہلے تو ان کا کہنا تھا کہ دریائے نیل سے دریائے فرات تک کا علاقہ اسرائیل بنے گا' لیکن عراق جنگ کے بعد شیرون نے کہا ہے کہ اب ہمارا مطالبہ دریائے نیل سے دجلہ تک کا ہے۔ عظیم تر اسرائیل کا نقشہ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر آویزاں ہے۔ اس نقشے کے مطابق پورا فلسطین' پورا شام' عراق (کم از کم دجلہ تک)' مصر کا انتہائی زرخیز دریائے نیل کے ڈیلٹا کا علاقہ' ترکی کا جنوبی حصہ اور سعودی عرب کا بھی شمالی حصہ بشمول مدینہ' یہ سب گریٹر اسرائیل کا حصہ بنیں گے۔ یہ لوگ مکہ کو اس میں شامل نہیں کرتے مگر مدینہ کو کرتے ہیں' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مدینہ میں داخلے کی کوشش ضرور کریں گے مگر اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے گا اور یہ اس میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

اس طرح ایک گریٹر اسرائیل وجود میں آئے گا اور پھر ساری دنیا سے تمام یہودیوں کو جھاڑ و پھیر کر یہاں جمع کر لیا جائے گا۔ اس کا ذکر بھی سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہے: ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا﴾ ''پس جب آخرت کا

وعدہ آ جائے گا تو ہم تمہیں لپیٹ کر لے آئیں گے''۔ اس کے بعد یہودیوں پر عذابِ استیصال آئے گا اور ''عظیم تر اسرائیل'' ہی یہودیوں کا ''عظیم تر قبرستان'' بنے گا۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون)

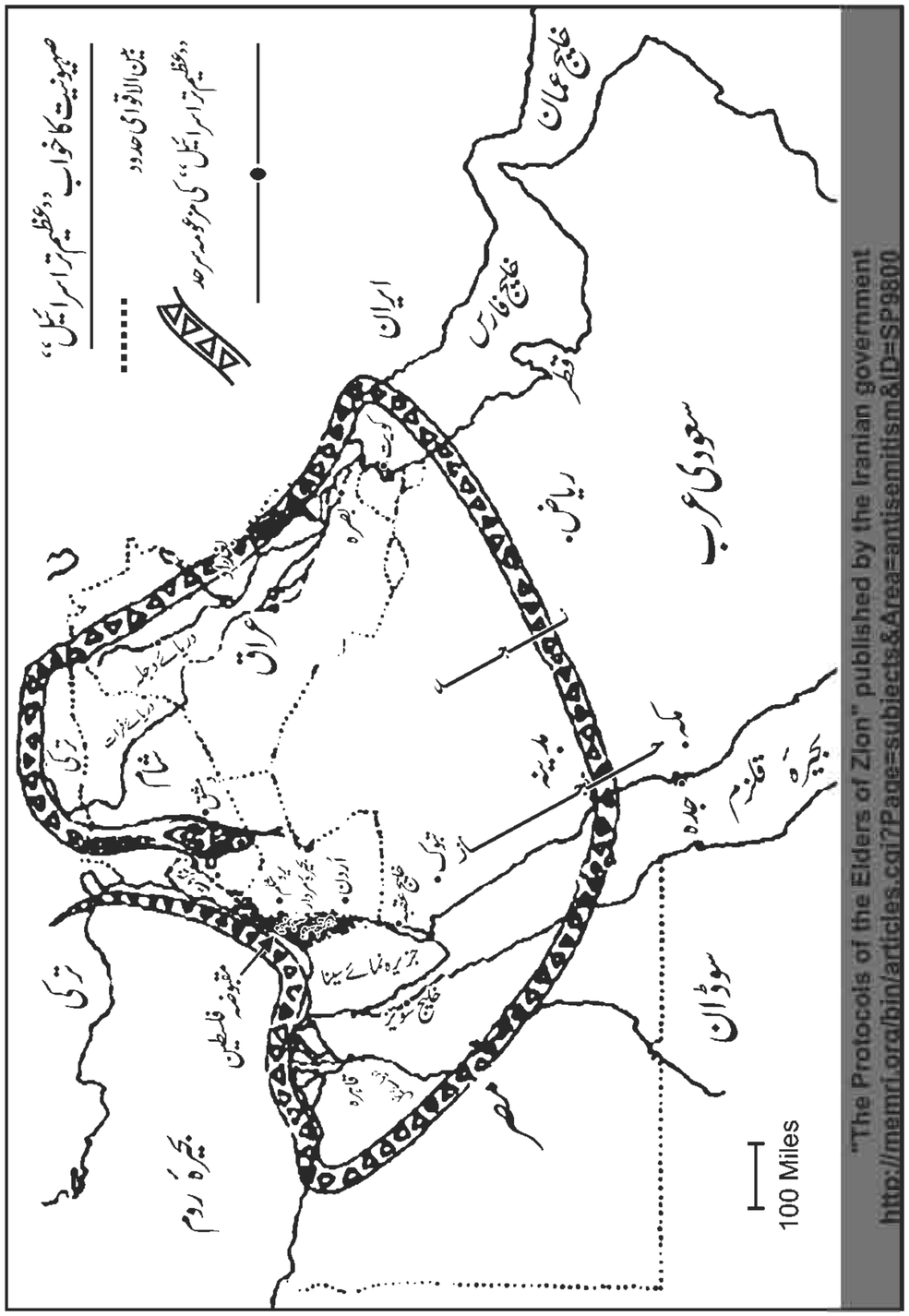

ملک وملّت کو درپیش

موجودہ مسائل کا حقیقی اور پائیدار حل

کلامِ اقبال کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

مرکزیہ مجلس اقبال لاہور علامہ اقبال کے یومِ پیدائش اور یومِ وفات پر ع ''بیا بہ مجلسِ اقبال و یک دو ساغر کش!'' کی دعوت کے ساتھ خصوصی تقاریب کا اہتمام کرتی ہے۔ ان تقاریب میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کو اکثر و بیشتر دعوتِ خطاب دی جاتی تھی اور آپ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں فکرِ اقبال کے حوالے سے اظہارِ خیال فرمایا کرتے تھے۔ ۲۰ اپریل ۲۰۱۳ء کو مرکزیہ مجلس اقبال اور ایوانِ اقبال کمپلیکس نے مشترکہ طور پر یومِ اقبال کی مناسبت سے ایوانِ اقبال میں ایک تقریب منعقد کی جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ کو بھی اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ تقریب کی صدارت جناب عارف نظامی نے کی' جبکہ دیگر مقررین میں جناب اوریا مقبول جان' جناب مجیب الرحمٰن شامی اور محترمہ ناصرہ جاوید اقبال نمایاں تھے۔ جناب حافظ عاکف سعید نے اپنے خطاب میں کلامِ اقبال کی روشنی میں ملک وملت کو درپیش موجودہ مسائل کا حقیقی اور پائیدار حل جامع انداز میں شرکاء کے سامنے رکھا۔ یہ خطاب معمولی حک و اضافہ کے ساتھ ماہِ نومبر کی مناسبت سے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (ال عمران)

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) (رواہ مسلم' عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

صاحب صدر جناب عارف نظامی صاحب' قابلِ صد احترام حضرات علم و دانش اور معزز سامعین السلام علیکم

میں آج یوم اقبال کی اس تقریب کے انعقاد پر منتظمین کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس باعزت محفل میں اظہارِ خیال کا موقع عنایت فرمایا۔ اس لیے کہ یہ میرا گہرا احساس ہے کہ آج نہ صرف مسلمانانِ پاکستان کو بلکہ پوری مسلم امہ کو جس رہنمائی اور گائیڈنس کی ضرورت ہے' علامہ اقبال کے کلام میں اس رہنمائی کا وافر سامان بڑی جامعیت اور وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

علامہ اقبال کو بجا طور پر ہم اپنا عظیم قومی شاعر اور رہنما قرار دیتے ہیں' لیکن درحقیقت وہ ایک آفاقی اور ملی شاعر اور رہنما تھے۔ وہ مسلم ممالک کے درمیان کھینچی گئی سیاسی لکیروں کی حدود و قیود کو اغیار کی سازش سمجھتے تھے۔ اور وہ نہ صرف ملت اسلامیہ کی وحدت کے آرزومند تھے بلکہ دین اسلام کی روح کے مطابق ''اَلْمُلْكُ لِلّٰه'' اور ''اَلْحُكْمُ لِلّٰه'' کے حوالے سے کل روئے ارضی پر اللہ کے دین اور محمد عربی ﷺ کے لائے ہوئے نظام کی بالادستی کے قائل تھے۔ علامہ کے یہ دو اشعار میرے اس دعوے کے ثبوت کے طور پر کافی ہوں گے۔ ملت اسلامیہ کی وحدت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اور

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم' وطن ہے سارا جہاں ہمارا!

اسی طرح یہ امرِ واقعہ ہے کہ اگرچہ ان کا انتقال پاکستان کے قیام سے کم و بیش ۹ برس پہلے ہو گیا تھا' لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کے قیام کی راہ ہموار کرنے میں ان کا جو غیر معمولی کردار ہے اس میں کوئی ان کا شریک و ساجھی اور ہم پلہ نہیں ہے۔

مسلمانانِ برصغیر جو انگریز کی دوسو سالہ غلامی کے ڈسے ہوئے تھے' ان میں ایک جذبۂ تازہ اور احیائی جذبہ پیدا کرنا اقبال ہی کا کام تھا۔ ؎

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

کانگریس کے مقابلے میں بننے والی مسلم لیگ —— جو اصلاً مسلمانانِ برصغیر کے سیاسی حقوق کے دفاع کے لیے قائم ہوئی تھی —— علامہ اقبال نہ صرف یہ کہ ہمیشہ اس کے سرپرستوں اور رہنماؤں میں شامل رہے بلکہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد خطے کا تصور دینے اور اس کے مطالبے کی آواز اٹھانے والے پہلے رہنما وہی تھے۔ اور حال یہ ہے کہ ہمارا میڈیا آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان میں ایسے دریدہ دہن لوگ بھی موجود ہیں جو ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ قیام پاکستان میں اقبال کا کوئی حصہ نہیں تھا!

واقعہ یہ ہے کہ انہی حوالوں سے علامہ اقبال کو مفکر و مصورِ پاکستان کا لقب عطا ہوا' بلکہ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اس سے آگے بڑھ کر انہیں ''مبشرِ پاکستان'' قرار دیتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے پہلے ایک vision کے طور پر کہا تھا کہ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو کر رہے گی''۔ اور پھر اسے ایک مطالبے کے طور پر بھی پیش کیا۔

یہ ان کا vision تھا' وہ visionary انسان تھے۔ ان کی نگاہوں کی رسائی بہت دور تک تھی۔ ''مسجد قرطبہ'' نامی نظم میں فرماتے ہیں:

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

اسی مضمون کو فارسی میں انہوں نے جس پُرشکوہ انداز میں بیان فرمایا وہ انہی کا حصہ تھا' فرماتے ہیں:

می شود پردۂ چشمم پرِ کاہے گاہے!
دیدہ ام ہر دو جہاں را بنگاہے گاہے

''کبھی کبھی میری آنکھ کا پردہ گھاس کے تنکے کے برابر یعنی انتہائی خفیف اور لطیف ہو جاتا ہے اور میں دونوں جہانوں کو ایک ہی نگاہ میں دیکھ لیتا ہوں۔''

میں نے اپنی گفتگو کا آغاز جس نکتے سے کیا تھا' اسی کی طرف واپس لوٹنا چاہوں گا کہ آج پوری ملتِ اسلامیہ کو بالعموم اور مسلمانانِ پاکستان کو بالخصوص جس رہنمائی کی ضرورت ہے' اس کا وافر سامان علامہ اقبال کے شاعرانہ کلام اور افکار میں موجود ہے' بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ

تا قیامت اس میں رہنمائی کا سامان موجود ہے' تو غلط نہ ہوگا —— میں نے بہت بڑا دعویٰ کیا ہے' لیکن مجھے اطمینان ہے کہ میرا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہے۔

دیکھئے' اقبال کا پورا کلام —— بالکل ابتدائی دور کو چھوڑ کر' بالخصوص انگلستان سے واپس آنے کے بعد —— باقی تمام کلام اصل میں قرآن حکیم کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی ذہنی و فکری صلاحیتوں سے نوازا تھا اور انہوں نے قرآن کا مطالعہ عشق محمدیؐ کے جذبے سے سرشار ہو کر کیا تو قرآن کے اَسرار ان پر کھلتے چلے گئے۔ چنانچہ قرآن کی عظمت کا جو اعتراف و اعلان اقبال کے ہاں ملتا ہے وہ بڑے بڑے علماء و فضلاء کے ہاں نہیں ملتا۔

انہوں نے شاعری کو افکارِ قرآنی کی اشاعت کا ذریعہ بنایا —— اور اس طرح اُمتِ مسلمہ کو' جو قرآن سے دُوری کی بنیاد پر اصل دین کو فراموش کر بیٹھی تھی اور اپنے عظیم مشن سے بیگانہ ہو گئی تھی' دوبارہ قرآن سے جوڑ کر ایک زندہ اور متحد امت بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

نغمہ کجا و من کجا' سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمامِ را!

''میں کیا ہوں اور میرا نغمہ کیا ہے! میری شاعری تو ایک بہانہ ہے' جس کے ذریعے میں بکھرے ہوئے بے مہار اونٹوں کو کھینچ کھینچ کر قطار میں لا رہا ہوں۔''

علامہ اقبال کو شدید رنج تھا اس بات کا کہ لوگوں نے انہیں محض ایک شاعر سمجھ رکھا ہے۔ ان کے کلام میں شعری فنی محاسن کی تلاش اور اس کے اظہار کا تو اہتمام کیا جاتا ہے لیکن پیغام کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اس پر وہ بحضور سرورِ کونین ﷺ اپنی فریاد پیش کرتے ہیں ؎

من اے میرِ اُمم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند!

''اے اُمتوں کے سردار (ﷺ)! میں آپؐ کے حضور انصاف کا طالب ہوں۔ میری فریاد یہ ہے کہ مجھے یار لوگوں نے محض ایک غزل خواں شاعر شمار کر لیا ہے۔''

علامہ اقبال کو اس درجے وثوق اور اعتماد تھا کہ جو کچھ انہوں نے اپنے کلام میں پیش کیا وہ سراسر قرآن حکیم ہی کی ترجمانی ہے کہ بصورتِ دیگر انہوں نے خود کو بددعا کا مستحق ٹھہرایا ہے ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن ایں خیاباں را ز خارم پاک کن

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

''(اے سرورِ کونین ﷺ!) اگر میرا دل ایک ایسا آئینہ ہے جو اپنی آب و تاب کھو چکا ہے اور میرے کلام میں قرآن کے سوا کچھ اور افکار و نظریات شامل ہیں تو آپ میرے فکر کی آبرو کا پردہ تار تار کر دیجیے اور اس گلشن کو میرے کانٹوں سے پاک کر دیجیے۔ مزید برآں مجھے قیامت کے روز بھی ذلیل و خوار کر دینا اور مجھے اپنے پائے مبارک کو بوسہ دینے کی سعادت سے محروم کر دینا۔''

چنانچہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ اقبال نے اپنے کلام میں قرآن ہی کے پیغام کو اور ان قرآنی حقائق کو جو پوری امت کے لیے تا ابد رہنما کا درجہ رکھتے ہیں' پیش کیا ہے —— اسی حوالے سے انہیں حکیم الامت کا خطاب بھی دیا گیا اور اس میں رتی بھر بھی شائبہ شک نہیں ہے کہ دورِ حاضر کے ترجمانِ قرآن' اقبال کا کلام ہی آج ہمارے لیے تریاق کا درجہ رکھتا ہے —— یہی آج ہمارے دکھوں کا مداوا اور قومی امراض کا علاج ہے —— لیکن المیہ یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے زعمائے قوم اور بالخصوص سیاسی رہنما' یومِ اقبال کی تقریب میں آ کر سٹیج سے تو یہی بات کہتے ہیں کہ ہمارے تمام قومی مسائل کا حل فکرِ اقبال میں پوشیدہ ہے —— لیکن عملاً مل کر جو کچھ کر رہے ہیں وہ فکرِ اقبال اور پیغامِ اقبال کی جڑیں کھودنے کے مترادف ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم قومی سطح پر انحطاط کی آخری انتہاؤں کو چھو رہے ہیں اور دنیا میں ہم ایک ناکام ریاست کے طور پر جانے جاتے ہیں —— میں بہت ہی دکھ کے ساتھ عرض کروں گا کہ آج تک برسرِ اقتدار آنے والی کم و بیش تمام سیاسی جماعتیں اور شخصیات' جن میں بدقسمتی سے مسلم لیگ کے نام سے ووٹ لے کر آنے والے اور زبان سے اقبال اور اس کے کلام کے گن گانے والے بھی شامل ہیں —— فی الحقیقت پیغامِ اقبال کو مٹانے اور فکرِ اقبال کی جڑیں کاٹنے میں پیش پیش رہے ہیں۔

اس عمل میں بہت زیادہ شدت آئی پرویز مشرف کے زمانے میں جب وہ لاٹھی کے زور پر فرعونِ وقت بنا ہوا تھا اور امریکہ کے وائسرائے کے طور پر ہمارے سروں پر مسلط تھا (اور آج وہی شخص ذلت کا نشان ہے) —— سیکولرازم اور اباحیت کو فروغ دینا' نظریۂ پاکستان کو متنازعہ (controversial) بنانا' محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو دقیانوسی اور rigid قرار دے کر روشن خیالی اور رواداری کے عنوان سے اسلام کی ابدی و آفاقی تعلیمات اور اقدار کی جڑیں کھود کر اسلام کے نام پر بے حیائی اور لبرل ازم کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کرنا ——

اور اس مقصد کے لیے اپنے مغربی آقاؤں کے حکم پر ملکی نصابِ تعلیم سے قرآن حکیم کی تعلیمات اور اقبال کے افکار و نظریات بالخصوص نظریہ پاکستان کو کھرچ کر اس ملک کی جڑوں پر تیشہ چلانے کا کام بڑی قوت اور پلاننگ کے ساتھ اس شخص نے شروع کیا' حالانکہ دیکھیے اقبال کیا کہتے ہیں اور صدفی صد درست کہتے ہیں۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

''اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن تک پہنچا دو' کیونکہ دین تو نام ہی آپ ﷺ کی پیروی کا ہے۔ اگر تم آپ ﷺ تک نہ پہنچ سکے تو سمجھ لو کہ باقی سب ابولہب کا مسلک یعنی کفر ہی ہے۔''

بعد میں NRO جیسے بدنامِ زمانہ معاہدے کے تحت قائم ہونے والی پی پی پی کی پانچ سالہ حکومت کے دور میں اس کام کو زیادہ شدت سے آگے بڑھانے کا کارنامہ جن حکومتی شخصیات نے دیا بدقسمتی سے ان میں پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف صاحب کا نام بھی شامل ہے (تعلیمی ایڈوائزر کس کو بنایا؟ مائیکل باربر کو!) اس لیے کہ امریکہ کی good books میں آنا ہر سیاسی پارٹی کی ناگزیر ضرورت رہی ہے۔

یاد رکھیے' یہ طرزِ عمل' فکرِ اقبال سے مجرمانہ انحراف کی بدترین صورت ہے۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ اس ذریعے سے ملک مستحکم ہوگا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا تو میرے نزدیک یہ غلط فہمی اور نادانی کی وہ انتہا ہے جو ملک کے لیے انتہائی مضر بلکہ مہلک ثابت ہوگی۔ دیکھیے اقبال کیا کہتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!

یعنی پوری دنیا میں ملت اسلامیہ کی قوت و طاقت اور ترقی و استحکام کے حصول کا راستہ ہرگز وہ نہیں ہے جو دنیا کی دوسری اقوام اپنے لیے اختیار کرتی ہیں۔ ملت اسلامیہ کی ترقی و استحکام کی بنیادیں کچھ اور ہی ہیں۔ دنیا کی دیگر اقوام رنگ و نسل اور زبان یا جغرافیائی بنیادوں پر تشکیل پاتی ہیں اور انہی بنیادوں کو مضبوط کرنے سے قومی سطح پر مستحکم اور مضبوط ہوتی ہیں' جبکہ دنیا میں

مسلمانوں کی ترقی واستحکام کا کل انحصار دین و مذہب کی ترقی و مضبوطی پر ہے —— اور پاکستان تو بنا ہی اسلام کے نام پر ہے۔ اور دین اسلام کو جو اللہ کی نگاہ میں آج واحد مقبول دین ہے' جب تک ہم اس کی حقیقی روح کے ساتھ اس ملک میں مضبوط و مستحکم نہیں کریں گے یہ ملک خود مضبوط و مستحکم ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمارے ملک کی ۶۵ سالہ تاریخ اقبال کے اس فکر کی اصابت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

آج ہماری علمی کرپشن اور بددیانتی کی انتہا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا۔ پھر تو مطالبہ پاکستان بے معنی ہے۔ کیا جس قوم نے پاکستان کے نام سے ایک الگ خطے کے قیام کا یہ مطالبہ کیا تھا اور اس حوالے سے انگریزوں اور ہندوؤں سے نظریاتی لڑائی مول لی تھی' اس کی قومیت کی بنیاد کسی زبان پر' حسب نسب پر' یا کسی علاقائی تعلق پر تھی؟ سیدھی سی بات ہے' وہ قوم اگر ایک قوم تھی تو صرف اسلام کی بنیاد پر۔ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے مسلمانانِ برصغیر کس نعرہ کے تحت جمع ہوئے تھے؟ ''پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ'' کس سوچ کا اظہار تھا؟

قیامِ پاکستان کو ۶۵ برس گزر چکے ہیں —— آج ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارا ایک بازو عرصہ ہوا ہم سے کٹ چکا ہے۔ باقی ماندہ پاکستان آج مسائلستان ہے۔ ہماری تاریخ بحیثیت مجموعی بحرانوں اور ناکامیوں سے عبارت ہے۔ ہم عملی طور پر معاشی حوالے سے آئی ایم ایف' ورلڈ بینک کے اور عسکری و سیاسی حوالے سے امریکہ کے غلام بن چکے ہیں۔ ہماری آزادی اب ایک سراب کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی نظر میں ہم ایک ناکام ریاست کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ عالمی سطح پر ہمارے ملک کو توڑنے اور تقسیم کرنے کے مشورے اور فیصلے علی الاعلان کیے جاتے ہیں —— ہمارے زوال و انحطاط کا سبب کیا ہے اور اس صورت حال سے نکلنے کا اصل راستہ کون سا ہے؟ رہنمائی کہاں سے ملے گی؟

دیکھئے! کلام اقبال سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر شخص' جن میں خود میں بھی شامل ہوں' یہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی اور زوال و انحطاط کے اسباب اور اس سے نکلنے کا راستہ اور طریقہ' یہ علامہ اقبال کے اہم ترین موضوعات میں سے تھے اور اس حوالے سے ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' ان کی معرکۃ الآراء نظمیں ہیں۔ ''شکوہ'' دورِ زوال میں مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت کی عکاسی کے حوالے سے ایک شاہکار نظم ہے اور ''جوابِ شکوہ'' اس صورت حال سے نکلنے کا راستہ۔ یہ دونوں نظمیں جیسے آج سے سو سال پہلے تروتازہ تھیں آج بھی اسی طرح

تروتازہ ہیں۔ وقت کی کمی کے باعث ''شکوہ'' کے چند ہی اشعار پر قناعت کروں گا۔ بالکل آغاز میں ہی فرمایا:

اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے!

وہ شکوہ کیا تھا؟ اگرچہ اقبال نے بڑی تفصیل سے اپنا موقف امت مسلمہ کے ایک نمائندہ فرد کی حیثیت سے بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا اور اس حوالے سے مسلمانوں کے احساسات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے' لیکن اس کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر!

آج ایک صدی کے بعد بھی بحیثیتِ مجموعی ہم اسی مقام پر ہیں۔ خاص طور پر مسلمانانِ پاکستان کے احساسات تو بالکل یہی ہیں۔

''جوابِ شکوہ'' میں اولاً تشخیص ہے' پھر علاج تجویز کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے قرآن و سنت کی تعلیمات کی ترجمانی بہت خوبصورت اور جامع انداز میں کی گئی ہے۔

زوال کا سبب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں —— ایک نہایت جامع بات: ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر!

''جوابِ شکوہ'' کا درج ذیل شعر بھی لائقِ توجہ ہے۔ تم خود کو اربابِ وفا کہتے ہو' اللہ سے اور رسولؐ سے وفاداری کا دم بھرتے ہو اور حال تمہارا کیا ہے!

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

''جوابِ شکوہ'' کے آخری حصے میں امت کو پیغام —— زوال و انحطاط سے باہر نکلنے کا راستہ۔ چند شعر سنا کر اپنی گفتگو ختم کروں گا کہ آج ہمارے لیے اقبال کا پیغام یہی ہے جو ہمارے قومی قبلے کی درستگی کا ذریعہ بن سکتا ہے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(بقیہ صفحہ 26 پر)

دعوت وتبلیغ اور ہدایت واصلاح

حکمت کے چند اہم نکات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ

سورۃ الاعراف میں ارشاد ہوا :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾﴾

''اے نبی (ﷺ) نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اُنہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر اُنہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اُن کے لیے صحیح طریقۂ کار کیا ہو۔ رہے اُن کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند تو وہ اُنہیں اُن کی کج روی میں کھینچے لیے چلے جاتے ہیں اور اُنہیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔''

اِن آیات میں نبی ﷺ کو دعوت وتبلیغ اور ہدایت واصلاح کی حکمت کے چند اہم نکات بتائے گئے ہیں اور مقصود صرف حضور ﷺ ہی کو تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کے ذریعہ سے ان سب لوگوں کو بھی حکمت سکھانا ہے جو حضور ﷺ کے قائم مقام بن کر دنیا کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے اٹھیں۔ اِن نکات کو سلسلہ وار دیکھنا چاہیے:

۱) داعیٔ حق کے لیے جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اُسے نرم خو، متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق، عامۃ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو

بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے، نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی، بہتان تراشی، ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو، اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری، درشت خوئی، تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعالِ طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے بنتا نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ ''غضب اور رضا، دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں، جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اسے اس کا حق دوں، جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں''۔ اسی چیز کی ہدایت آپ ﷺ ان لوگوں کو کرتے تھے جنہیں آپ دین کے کام پر اپنی طرف سے بھیجتے تھے کہ بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، یعنی ''جہاں تم جاؤ وہاں تمہاری آمد لوگوں کے لیے مژدۂ جاں فزا ہو نہ کہ باعثِ نفرت، اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی وسختی کے''۔ اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حق میں فرمائی ہے کہ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠﴾ یعنی ''یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو، ورنہ اگر تم درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔'' (آل عمران:۱۵۹)

۲) دعوتِ حق کی کامیابی کا گُر یہ ہے کہ آدمی فلسفہ طرازی اور دقیقہ سنجی کے بجائے لوگوں کو معروف یعنی ان سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے جنہیں بالعموم سارے ہی انسان بھلا جانتے ہیں یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لیے وہ عقلِ عام (Common sense) کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعیٔ حق کی اپیل عوام وخواص سب کو متأثر کرتی ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ نکال لیتی ہے۔ ایسی معروف دعوت کے خلاف جو لوگ شورش برپا کرتے ہیں وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ عام انسان، خواہ وہ کتنے ہی تعصّبات میں مبتلا ہوں، جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ایک شریف النفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو سیدھی سیدھی بھلائیوں کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہر قسم کی اخلاق وانسانیت سے گری ہوئی تدبیریں استعمال کر رہے ہیں، تو رفتہ رفتہ ان

کے دل خود بخود مخالفینِ حق سے پھرتے اور داعیٔ حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں‘ یہاں تک کہ آخر کار میدانِ مقابلہ میں صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے ذاتی مفاد نظامِ باطل کے قیام ہی سے وابستہ ہوں‘ یا پھر جن کے دلوں میں تقلیدِ اَسلاف اور جاہلانہ تعصّبات نے کسی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی ہی نہ چھوڑی ہو۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی ﷺ کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپ کے بعد تھوڑی ہی مدت میں اسلام کا سیلاب قریب کے ملکوں پر اس طرح پھیل گیا کہ کہیں سو فی صدی اور کہیں ۸۰ اور ۹۰ فی صدی باشندے مسلمان ہو گئے۔

۳) اس دعوت کے کام میں جہاں یہ بات ضروری ہے کہ طالبینِ خیر کو معروف کی تلقین کی جائے وہاں یہ بات بھی اتنی ہی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے‘ خواہ وہ الجھنے اور الجھانے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملہ میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی‘ جھگڑالو پن اور طعن و تشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعتِ دعوت اور اصلاحِ نفوس میں خرچ ہونا چاہیے وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

۴) اسی کے سلسلہ میں مزید ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی داعی حق مخالفین کے ظلم اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات و الزامات پر اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس کرے تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نزغِ شیطانی (یعنی شیطان کی اکساہٹ) ہے اور اسی وقت خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کہ اپنے بندے کو اس جوش میں بہہ نکلنے سے بچائے اور ایسا بے قابو نہ ہونے دے کہ اس سے دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ دعوتِ حق کا کام بہرحال ٹھنڈے دل سے ہی ہو سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر‘ خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔ لیکن شیطان‘ جو اس کام کو فروغ پاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا‘ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے بھائی بندوں سے داعیٔ حق پر طرح طرح کے حملے کرائے اور پھر ہر حملے پر داعیٔ حق کو اُکسائے کہ اس حملے کا جواب تو ضرور ہونا چاہیے۔ یہ اپیل جو شیطان داعی کے نفس سے کرتا ہے‘ اکثر بڑی بڑی پُرفریب تاویلوں اور مذہبی اصلاحوں کے غلاف

میں لپٹا ہوا ہوتا ہے‘ لیکن اس کی تہہ میں بجز نفسانیت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے آخری دو آیتوں میں فرمایا کہ جو لوگ متقی یعنی خدا ترس اور بدی سے بچنے کے خواہش مند ہیں وہ تو اپنے نفس میں کسی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی برے خیال کی کھٹک محسوس کرتے ہی فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آ جاتا ہے کہ اس موقع پر دعوتِ دین کا مفاد کس طرزِ عمل کے اختیار کرنے میں ہے اور حق پرستی کا تقاضا کیا ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے کام میں نفسانیت کی لاگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شیاطین کے ساتھ بھائی چارے کا تعلق ہے‘ تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتے اور اس سے مغلوب ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔ پھر جس جس وادی میں شیطان چاہتا ہے انہیں لیے پھرتا ہے اور کہیں جا کر ان کے قدم نہیں رکتے۔ مخالف کی ہر گالی کے جواب میں ان کے پاس گالی اور ہر چال کے جواب میں اس سے بڑھ کر چال موجود ہوتی ہے۔

اس ارشاد کا ایک عمومی محل بھی ہے اور وہ یہ کہ اہلِ تقوی کا طریقہ بالعموم اپنی زندگی میں غیر متقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ برائی سے بچیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ برے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی اگر ان کے دل کو چھو جاتا ہے تو انہیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک انگلی میں پھانس چبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرّے کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برے خیالات‘ بری خواہشات اور بری نیتوں کے خوگر نہیں ہوتے اس وجہ سے یہ چیزیں ان کے لیے اُسی طرح خلافِ مزاج ہوتی ہیں جس طرح انگلی کے لیے پھانس یا آنکھ کے لیے ذرہ یا ایک نفیس طبع اور صفائی پسند آدمی کے لیے کپڑوں پر سیاہی کا ایک داغ یا گندگی کی ایک چھینٹ۔ پھر جب یہ کھٹک انہیں محسوس ہو جاتی ہے تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بیدار ہو کر اس غبارِ شر کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ نہ خدا سے ڈرتے ہیں‘ نہ بدی سے بچنا چاہتے ہیں‘ اور جن کی شیطان سے لاگ لگی ہوئی ہے‘ ان کے نفس میں برے خیالات‘ برے ارادے‘ برے مقاصد پکتے رہتے ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی اپراہٹ اپنے اندر محسوس نہیں کرتے‘ بالکل اسی طرح جیسے کسی دیگچی میں سور کا گوشت پک رہا ہو اور وہ بے خبر ہو کہ اس کے اندر کیا پک رہا ہے‘ یا جیسے کسی بھنگی کا جسم اور اس کے کپڑے غلاظت میں لتھڑے ہوئے ہوں اور اسے کچھ احساس نہ ہو کہ وہ کن چیزوں میں آلودہ ہے۔

❁❁❁

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود

عتیق الرحمٰن صدیقی

عادِ ثانیہ

عظیم المرتبت پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کا نام ثمود ہے۔ آپؑ کا اسم گرامی قرآن حکیم میں نو مقامات پر آیا ہے اور قومِ ثمود کا ذکر کتابِ حکیم میں دس سورتوں میں آیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ''عادِ اولیٰ'' کی ہلاکت کے بعد جو افراد بچ گئے تھے ان کی نسل ''عادِ ثانیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی جس کو بعد میں قومِ ثمود کا نام دیا گیا۔ وادیٔ حجر اُن کا اصل مقام ہے جو حجاز اور ملک شام کے درمیان وسیع و عریض میدان کی شکل میں موجود ہے۔ اس علاقہ کو فجّ النّاقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہاں ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔ مولانا محمد عبدالرحمٰن نے سیرتِ انبیاء کرام علیہم السلام میں مشہور مؤرخ مسعودی کے حوالے سے لکھا ہے:

''جو شخص ملک شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں اس قوم کے مٹے نشان اور کھنڈرات ملتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے ان بستیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ایک مصری سیاح کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوا جو شاہی محل کہا جاتا ہے۔ اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس محل کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے۔ یہ پورا محل پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ ثمود فنِ تعمیر میں یدِطولیٰ رکھتے تھے اور یہ سینکڑوں آثار و کھنڈرات ان کے فنِ تعمیر کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ قومِ عاد کی طرح اس قوم نے بھی پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو تراش کر شان و شوکت ظاہر کرنے کے لیے محلات بناتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔'' (ہدایت کے چراغ یعنی سیرت انبیاء کرام علیہم السلام از مولانا محمد عبدالرحمٰن، ص ۱۳۲)

العلاء اور مدائن صالح

''مدائن صالح'' کا قدیم نام الحجر ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں آج سے چھ ہزار سال

پہلے قومِ ثمود آباد تھی۔ یہ خیبر سے تقریباً ۱۱۵ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ سید مودودی کی رودادِ سفر (سفر نامہ ارض القرآن) میں لکھا ہے:

''العلاء سے مدائن صالح تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے بلند اور پھٹے ہوئے پہاڑوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ بعض پہاڑوں کی شکل مندروں اور قلعوں کی سی تھی، انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید ثمود نے ان پر اپنے محلات، قلعے اور مندر بنائے ہوں جو زلزلے (صاعقہ) سے پھٹ گئے ہوں۔''

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد ''حرم مدینہ'' میں لکھتے ہیں:

''العلاء جتنا سرسبز و شاداب ہے مدائن اتنا ہی بے آب و گیاہ ہے۔ العلاء سے گزرنے والے قدیم کاروانی راستے کے پہلو بہ پہلو بلند پہاڑ عجیب شکلوں میں ہیں۔ دراصل سخت زلزلے نے اس سارے علاقے کے پہاڑوں کو دامن سے چوٹی تک جھنجھوڑ کر قاش قاش کر دیا ہے۔'' (بحوالہ اطلس القرآن، ص ۶۷)

مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانے میں مدینہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے پر ایک سٹیشن پڑتا ہے جسے مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانہ میں حجر کہلاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبہ میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جن کو ثمود کے لوگوں نے تراش تراش کر بنایا تھا اور اس شہرِ خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی وقت اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں تجارتی قافلے ان آثارِ قدیمہ کے درمیان سے گزرا کرتے تھے ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک کنویں کی نشاندہی کر کے بتایا تھا کہ یہی وہ کنواں ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں سے پانی لینا۔ ایک پہاڑی درّے کو دیکھ کر آپؐ نے بتایا تھا کہ اسی درّے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لیے آتی تھی۔'' (سورۃ الاعراف، حاشیہ ۵۷)

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود

قرآن کریم نے حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْ

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ (الاعراف)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے' لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین پر چرتی پھرے' اس کو کسی برے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں آ لے گا۔ یاد کرو وہ وقت جبکہ اللہ نے قومِ عاد کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار میدانوں میں عالیشان محل بناتے ہو اور اس کے پہاڑوں کو مکان کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اُس کی قدرت کے کرشموں سے غافل نہ ہو جاؤ اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کمزور طبقہ کے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا: کیا واقعی تم جانتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ انہوں نے کہا: بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔ ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا: جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔ پھر انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آؤ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آن لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ اور صالحؑ یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا:

''اے میری قوم! میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بہت خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں تمہیں اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔''

قرآن کی تصریحات کے نتائج

قرآن حکیم کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ:

☆ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بندگیٔ رب کی دعوت دی مگر قوم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔

☆ قومِ ثمود کو قومِ عاد کا جانشین بنایا گیا تھا' انہیں اللہ نے منزلت عطا کی تھی' مگر انہوں نے اس کی کوئی قدر نہ کی۔

☆ اللہ تعالیٰ نے انہیں فنِ تعمیر کے عظیم پیشہ سے روشناس کیا تھا' مگر اس پر وہ کبر و غرور اور انانیت کا شکار ہو گئے۔

☆ اونٹنی ان کے طلب کرنے پر کھلی دلیل کے طور پر بھیجی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ یہ اللہ کی ایک نشانی ہے' لہٰذا برے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا' مگر انہوں نے حضرت صالحؑ کے اس انتباہ کو درخورِ اعتناء نہ سمجھا۔

☆ انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب طلب کرنے لگے۔ اس نافرمانی پر وہ اللہ کی گرفت سے محفوظ نہ رہے۔

قومِ ثمود کی بُت پرستی

شرک قومِ ثمود کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا' بت پرستی ان کا شیوہ تھی' معبودانِ باطل کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بت ان کے فریاد رس ہیں' ان کی بگڑی بناتے ہیں' ان کی تکلیفیں اور بیماریاں دور کرتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام انہیں اللہ کی عظیم نعمتیں یاد دلاتے تھے جن سے وہ صبح و شام متمتع ہو رہے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام فرماتے کہ اس کائنات کا رب صرف اللہ ہے' وہی سمیع و بصیر ہے' وہی تمہاری حاجتیں پوری کرتا ہے' نفع و نقصان کا مالک صرف وہی ہے' وہ یکتا ہے' اس کے تصرفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں' عبادت و بندگی کا سزاوار صرف وہی ہے' اس کے اس عظیم استحقاق کو مت جھٹلاؤ۔ قوم کو حیرانی اس بات پر تھی کہ ایک انسان اللہ کا پیغمبر کیسے ہو سکتا ہے! اللہ کے احکام سنانے کے لیے ہم ذی اثر اور مال دار لوگ موجود ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام کی بار بار کی نصیحتیں

ثمر آور نہ ہوئیں۔ وہ سرسبز و شاداب باغات‘ سیم و زر کی فراوانی‘ بلند و بالا عمارات‘ چشموں اور نہروں کی آبیاری‘ اپنی صحت اور قوت و طاقت پر ریجھتے‘ اتراتے اور فخر کرتے رہے۔ حضرت صالح علیہ السلام انہیں فخر و غرور سے باز رہنے کی تلقین کرتے اور سامانِ عیش و طرب سے گھمنڈ میں آنے پر ملامت کرتے‘ مگر وہ اپنی حرکتوں اور طرزِ عمل سے باز رہنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنا لیا اور ترنگ میں آ کر یہ کہتے کہ اگر وہ باطل پر ہوتے تو یہ شان و شوکت انہیں حاصل نہ ہوتی۔

معجزے کا مطالبہ

اس مغرور اور سرکش قوم نے اللہ تعالیٰ کی نشانی پیش کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا: اے صالح! اگر تم سچے ہو تو اپنے رب سے کہو کہ اس پہاڑ سے کوئی اونٹنی پیدا کر دکھاؤ جو گابھن بھی ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ جنم دے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

’’قومِ ثمود جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ سے اکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سربرآوردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں یہ مطالبہ کیا کہ اے صالح! اگر تو واقعی خدا کا رسول ہے تو کوئی نشانی پیش کر تا کہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں! حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد انکار و سرکشی پر قائم رہو؟ قوم کے سرداروں نے وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے۔ تب صالح علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے ایک اونٹنی ظاہر کرو جو گابھن ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ بھی دے دے۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ معاً پہاڑ سے ایک بلند قامت‘ قوی الہیکل اونٹنی ظاہر ہوئی اور اس نے بچہ بھی جنم دیا۔‘‘

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

’’اللہ نے قوم کی درخواست پر معجزہ قبول کر کے ایک اونٹنی کس عجیب طریقہ سے پیدا کر دی تھی اور پیغمبرؑ کے ذریعے سے یہ حکم دے دیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں‘ یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی اور جس وقت اسے کوئی نقصان پہنچائے گا پس وہی گھڑی عذابِ الٰہی کی ہوگی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطور خارق عادت برآمد ہوئی تھی اس میں اب تک

ایک شگاف ساٹھ (۶۰) فٹ کا موجود ہے اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب ناقۃ النبی کا نقش قدم آج بھی زیارت خلائق ہے۔‘‘ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن بحوالہ تفسیر ماجدی۔ سورۃ الاعراف)

اونٹنی بطور معجزہ

حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت پر قوم نے ان سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا‘ اس پر اللہ تعالیٰ نے واقعتاً ایک اونٹنی کو بطور معجزہ بھیج دیا۔ سورۃ الشعراء میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے اور اونٹنی کو بطور معجزہ دیے جانے کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے:

﴿مَآ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۚ فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَـكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوۡهَا فَاَصۡبَحُوۡا نٰدِمِيۡنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۵۹﴾﴾

’’(قوم نے حضرت صالح سے کہا:) تُو تو ہماری طرح کا ایک انسان ہے‘ پس تو کوئی نشانی لے آ اگر تو سچا ہے۔ صالح نے کہا: یہ اونٹنی ہے‘ ایک دن اس کے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اس کو ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آ لے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور آخر کار پچھتاتے رہ گئے۔ عذاب نے انہیں آن لیا۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے‘ مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔‘‘

صاحبِ تفہیم القرآن اونٹنی کی عجیب الخلقت کو موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’معجزے کے مطالبے پر اونٹنی پیش کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض ایک عام اونٹنی نہ تھی جیسی ہر عرب کے پاس وہاں پائی جاتی تھی بلکہ ضرور اس کی پیدائش اور خلقت میں کوئی ایسی چیز تھی جسے معجزے کی طلب پر پیش کرنا معقول ہوتا۔ اگر صالح علیہ السلام قوم کے مطالبہ کے جواب میں یونہی کسی اونٹنی کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تو ظاہر ہے یہ ایک نہایت فضول حرکت ہوتی جس کی کسی پیغمبر تو درکنار ایک عام معقول آدمی سے بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ بات یہاں تو صرف سیاقِ کلام ہی کے اقتضاء سے سمجھ میں آتی ہے (سورۃ الشعراء میں) لیکن دوسرے مقامات پر قرآن میں صراحت کے ساتھ اس اونٹنی کے

وجود کو معجزہ کہا گیا ہے اور سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ یعنی یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی کے طور پر ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس سے بھی زیادہ پرزور الفاظ میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ ''ہم کو نشانیاں بھیجنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر اس بات نے کہ پہلے لوگ ان کو جھٹلا چکے ہیں۔ اور ہم ثمود کے سامنے آنکھوں دیکھتے اونٹنی لے آئے پھر بھی انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا۔ اور ہم تو نشانیاں خوف دلانے ہی کے لیے بھیجتے ہیں (تماشا دکھانے کے لیے نہیں بھیجتے)۔''

اونٹنی کی ہلاکت اور عذابِ الٰہی

یہ حیرت ناک معجزہ دیکھ کر بھی قوم نے ایمان قبول نہ کیا۔ اوّل اوّل تو اونٹنی کو ایذا دینے کی کسی کو نہ سوجھی اور نہ کوئی ناپاک جسارت کی' کنویں کا پانی ایک دن ناقۃ اللہ کا رہتا اور ساری قوم اس کے دودھ سے فائدہ اٹھاتی اور دوسرا دن قوم اور ان کے جانوروں کا رہتا جس سے وہ اپنی ضرورت کا پانی لیتے' مگر آہستہ آہستہ یہ بات انہیں کھٹکنے لگی اور وہ اس کا کام تمام کرنے کا سوچنے لگے اور پھر ناقۃ اللہ کو سازش سے ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے: ''اے بے نصیب قوم! آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اور وہی سانحہ پیش آیا جس کا مجھے خوف تھا' اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔ تین روز کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا جو تم سب کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔'' (تفسیر ابن کثیر' سورۃ الاعراف)

بہرحال تین دن کے بعد وہ وقت آ گیا جس نے صبح ہوتے ہی سب کو تباہ و برباد کر دیا اور آنے والے انسانوں کو تاریخی عبرت کا سبق دیا۔ عذابِ الٰہی والی رات سخت تاریک تھی۔ اچانک ایک ہیبت ناک آواز نے ہر شخص کو اسی حالت میں موت کی نیند سلا دیا۔ قرآن حکیم نے اس مہلک ترین آواز کو ایک آیت میں 'صاعِقه' (کڑک والی بجلی)' ایک دوسری آیت میں 'رَجْفه' (زلزلہ ڈال دینے والی)' اور ایک تیسری آیت میں 'صَيْحَه' (چیخ) کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی)

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے ایک منچلے سردار نے اونٹنی کو ہلاک کرنے کی ناپاک جسارت کا بیڑا اٹھایا تھا تاکہ وہ قوم کو اس مصیبت سے چھڑائے۔ قرآن حکیم نے

سورۃ الشمس میں اس بدبخت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا﴾ ''جب کہ اٹھا قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی''۔ اور سورۃ القمر میں فرمایا گیا: ﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ﴾ ''پس انہوں نے اپنے رفیق سے اپیل کی' آخر کار وہ یہ کام اپنے ذمہ لے کر اٹھا اور اس نے کوچیں کاٹ ڈالیں''۔ سورۃ الشعراء میں ارشاد ہوا: ﴿فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ ''مگر انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ دیں اور آخر کار پچھتاتے رہ گئے۔ پس عذاب نے انہیں آ لیا۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے' مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔''

قومِ ثمود کا عبرت ناک انجام

قرآن میں دوسرے مقامات پر اس عذاب کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب اونٹنی مار ڈالی گئی تو حضرت صالح علیہ السلام نے اعلان کیا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ﴾ (ھود:٦٥) ''تین دن اپنے گھروں میں مزے کر لو''۔ اس نوٹس کی مدت ختم ہونے پر رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب ایک زبردست دھماکا ہوا اور اس کے ساتھ سخت زلزلہ آیا جس نے آنِ واحد میں پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ نہ ان کے سنگین قصر ان کو اس آفت سے بچا سکے اور نہ پہاڑوں میں کھودے ہوئے غار۔ قرآن مجید میں اس عذاب کا تذکرہ مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں کیا گیا ہے۔ سورۃ القمر میں فرمایا:: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ﴾ ''ہم نے ان پر (عذاب کے لیے) ایک زوردار چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ''۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾ ''آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آن لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے''۔ سورۃ الحجر میں فرمایا: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''آخر کار ایک زبردست دھماکے نے ان کو صبح ہوتے آ لیا اور ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی''۔ یعنی ان کے وہ سنگین مکانات جو انہوں نے تراش تراش کر پہاڑوں کے اندر بنائے تھے ان کی کچھ بھی حفاظت نہ کر سکے۔

صاحبِ قصص القرآن نے لکھا ہے:

''جب قومِ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہ آئی تو ایک خوفناک زلزلے کے عذاب نے اس قوم کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مؤمنین فلسطین میں جا آباد ہوئے جہاں رملہ اور اس کے مضافات کا نیا وطن بنا (خازن)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرموت (احقاف) چلے آئے جہاں سے ان کے آباء و اجداد الحجر گئے تھے۔ چنانچہ حضرموت میں ایک قبر کے متعلق مشہور ہے کہ یہ صالح علیہ السلام کی قبر ہے۔'' (قصص القرآن)

دکتور شوقی ابوخلیل لکھتے ہیں:

''اللہ کی باغی قوم ثمود کے مطالبے پر جب اونٹنی کی نشانی یعنی معجزہ سامنے آیا تو بدبختوں نے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔ تب حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں تین دن بعد نہ ٹلنے والے عذاب کی وعید سنائی۔ پہلے روز ان سب کے چہرے خوف سے زرد پڑ گئے' دوسرے دن سرخ ہوئے اور تیسرے روز ان پر سیاہی چھا گئی جو خوف و دہشت کی انتہا یعنی موت کی علامت تھی۔'' (اطلس القرآن از دکتور شوقی ابوخلیل' بحوالہ روح المعانی)

قومِ صالح کے طرزِ عمل کے نتائج

قوم ثمود کے سامنے حضرت صالح علیہ السلام نے سیدھی راہ پیش کی تھی مگر انہوں نے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا اور اللہ کی زمین پر فساد پھیلانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آخر کار وہ اپنے ظلم اور زیادتی کی پاداش میں نشانِ عبرت بن کر رہ گئے۔ اونٹنی اس قوم کی آزمائش اور امتحان کے لیے تھی' سنت اللہ کے مطابق ان کے کرتوتوں کی بدولت وہ ان کی ہلاکت کا باعث بنی۔ ہر وہ قوم جو اپنے رسول سے صداقت کے لیے کوئی نشانی طلب کرتی ہے اور پھر نشانی کے ظہور پذیر ہونے کے باوجود ایمان نہیں لاتی تو پھر اس کی تباہی و ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ عذاب آ جانے کے بعد اگر کوئی قوم ہوش میں آئے تو وہ اس کے لیے سودمند اور نفع بخش نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ کی اُمت اس طرح کے عذاب سے محفوظ رہی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ﴾ (الانفال:۳۳) ''اے رسول اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان (کافروں) پر عام عذاب مسلط نہ کرے گا''۔ اس حوالے سے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگی تھی کہ میری اُمت پر عذبِ ہلاکت مسلط نہ فرمانا! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی۔ (حدیث حجۃ الوداع' شب مزدلفہ والی دعا)

دنیوی آسائش کی فراوانی' صحت و قوت بعض اوقات قوموں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ گھمنڈ میں آ کر خود فریبی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس غلطی پر متنبہ کیا مگر ان کی شیخی و غرور میں کوئی کمی نہ آئی اور شدید عذاب سے دوچار ہوئے۔ عذاب کے اختتام پر حضرت صالح علیہ السلام اپنے شہر واپس لوٹے اور تباہ حال بستی سے یوں خطاب کیا:

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝
(الاعراف)

''اے قوم! بلاشبہ میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور تم کو نصیحت بھی کی لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔''

جب فیصلہ کا وقت آن پہنچتا ہے تو پیغمبر پر ایمان نہ لانے والوں اور پیغمبر کی تضحیک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ شدید عذاب سے دوچار کر دیتا ہے اور ان لوگوں کو بچا لیتا ہے جو پیغمبر پر ایمان لائے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نہ صرف شرک کی آلودگی میں مبتلا تھی بلکہ اس نے زیردستوں پر جور و ظلم ڈھانے کی بھی انتہا کر دی تھی۔ معاشرتی اونچ نیچ میں مبتلا ہونے' معیشت کو اپنی خواہشات کا تابع بنانے اور اخلاقی رذائل کا رسیا ہونے کی بنا پر اس قوم کا پورا نظام مختل ہو کر رہ گیا تھا اور پھر اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے انہیں نیست و نابود کر کے آنے والی قوموں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔

طالبان کا اسلام اور مہدی آخر الزماں

بلال خان

اس دنیا کی تخلیق کے بارے میں محققین اور سائنسدانوں نے بہت سے فلسفے تراشے اور ہر فلسفہ اس یقین کے ساتھ پیش کیا گیا کہ اس سے تخلیق کائنات اور دیگر مخلوقات کی تخلیق کے بارے میں سوالات اور ابہام ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ مگر ہر نیا فلسفہ نئے سوالات کو جنم دیتا رہا ہے اور کوئی بھی فلسفہ قابلِ قبول اور تسلی بخش جوابات دینے سے قاصر ہے۔ انسانوں کو صرف آسمانی یا الہامی مذاہب ہی میں وہ جوابات ملتے آئے ہیں جنہوں نے قلوب کو مطمئن اور ذہنوں کو یقینِ محکم کی حد تک قائل کیا ہے۔ یہ بات صرف قرآن وحدیث سے متعلق ہی نہیں' بلکہ ان سے پہلے تورات اور انجیل کے متعلق بھی سچ ہے۔ موجودہ عیسائیت اور یہودیت اصل تعلیمات کا مسخ شدہ روپ ہیں' ورنہ دراصل یہ ایک دوسرے کا تسلسل ہیں اور ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ دنیا کی تخلیق کا جو جامع تصور ان الہامی مذاہب نے دیا وہ کسی فلسفے' کسی سائنسی تحقیق یا کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ خصوصی طور پر اسلام' جس کی تعلیمات آج بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں' نے کائنات اور اس میں بسنے والی تمام مخلوقات کی تخلیق کا جو تصور دیا وہ سب سے جامع اور مکمل ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ انسان کا علم اور اس کے تخیل کے پرواز کی حد مقرر ہے' وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اسی لیے بہت سے غیب کے معاملات کے بارے میں اسلام جیسا بیان کرتا ہے ویسا یقین کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے شک اللہ کے جواز اور اللہ کے راز صرف اللہ ہی کو بہتر معلوم ہیں' ویسے بھی وہ خالق ہی کیا جو مخلوق کے تصور میں آ جائے؟

دنیا میں ہر فلسفے' ہر الہامی مذہب اور ہر بات کا انکار انسان نے کیا ہے' لیکن موت وہ واحد اٹل حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہ کبھی کسی نے کیا اور نہ کرنا ممکن ہے' کیونکہ ہر انسان اپنی زندگی میں آئے دن جنازے اٹھتے دیکھتا ہے۔ موت کا معاملہ ہر مخلوق کے ساتھ ہے چاہے وہ

جانور ہوں یا چرند پرند یا کیڑے مکوڑے۔ الغرض جس کو بھی تخلیق کیا گیا ہے اس کو بہر حال ایک دن قضا کا سامنا کرنا ہے اور موت سے گزرنا ہے۔ یہاں تک کہ فرشتے بھی ایک دن موت کا ذائقہ چکھیں گے۔ بالکل اسی طرح کائنات اور یہ زمین بھی جو کہ اللہ کی معمولی سی مخلوق ہیں' ان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اسی کا نام قیامت یا روزِ محشر ہے کہ جس دن اللہ اپنی چادر یعنی کُل کائنات کو سمیٹ دے گا۔ جو لوگ سائنس کو خدا مانتے ہیں اور سائنسی دلائل کو دینی دلائل سے زیادہ اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں وہ بھی آج تحقیق سے ثابت کر رہے ہیں کہ یہ کائنات دراصل ایک غبارے کی مانند ہے جس میں مسلسل ہوا بھری جا رہی ہے اور ایک دن یہ غبارہ پھٹ جائے گا۔

بہت سے لوگ یہودیت' عیسائیت اور اسلام کے تسلسل کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ پہلے آنے والی شریعت کے مسخ ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تجدید نئی شریعت' نئی کتاب یا نئے پیغمبر سے فرمائی' یہاں تک کہ بالآخر انسانوں پر ڈالنے کی بجائے قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا۔ لیکن میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح مقرر کر چکا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب' امام الانبیاء' سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس دنیا میں اپنے حکم اور دین کی تکمیل کے لیے بھیجنا تھا' تو اس کے لیے دنیوی مظاہر اور اسباب کو پورا فرما کر حجت تمام فرمائی۔ اسی طرح قرآن وشریعت کی حفاظت کا کام بھی اللہ اکثر اپنے بندوں ہی سے لیتا ہے' اور یہ سر پھرے بندے ہی اللہ کی ابابیلوں کا کام کرتے ہیں۔ اسی لیے اس دورِ ابتلاء میں بھی جب سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے' اللہ کا یہ دفاعی نظام جب تک اس کی مشیت ہے قائم رہے گا اور دین اپنی اصل حالت میں محفوظ رہے گا' چاہے کتنے ہی کم لوگ اس پر قائم ہوں کہ تعداد اللہ کا مسئلہ نہیں۔ وہ ۳۱۳ کو تمام کفر پر حاوی رکھنے پر قادر ہے' لیکن قیامت سے کچھ پہلے اس دفاعی نظام کو ختم کر دیا جائے گا کیوں کہ قیامت کسی اہلِ ایمان پر نہیں آئے گی اور اُس وقت دنیا میں صرف شر ہی شر ہوگا' کوئی خیر کہیں باقی نہ ہوگی۔

کچھ لوگوں کے نزدیک یہ دفاعی نظام علمائے حق کی موجودگی سے وابستہ ہے۔ علمائے دین ہی کو روایات واحادیث میں انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے' اور تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو کام انبیاء کرامؑ نے بڑے پیمانے پر پوری امتوں کے لیے کیا' اسی سنت کو علمائے دین نے اپنے اپنے محدود علاقے یا حلقۂ اثر میں کیا۔ ماضی کے سلاطین اور خلفاء کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے والے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے اسلاف ہوں' یا مغل

اعظم کے سامنے علمی جہاد کرنے والے مجدد الف ثانیؒ یا انگریزوں کی توپوں کے آگے باندھے جانے والے اور کالا پانی کی سزائیں پانے والے سرپھرے مولوی‘ یہی علمائے حق ہیں کہ جن کی استقامت اور قربانیوں سے آج ہماری فضاؤں میں اذانیں گونجتی ہیں۔ قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی علم کا اٹھ جانا ہے‘ اور اس کی صورت روایات میں علمائے حق کی اموات اور قتل کی کثرت سے آئی ہے‘ یعنی علماء کا قتل اور خاتمہ علم کے خاتمے کا باعث بنے گا۔ آج یہ بات اکثر کی جاتی ہے کہ دین کا صحیح علم کیسے حاصل کیا جائے‘ اب تو مولوی ایسے ویسے ہو گئے ہیں‘ بس خود ہی ترجمہ وغیرہ پڑھ لینا چاہیے۔ یہ ایک غلط خیال ہے‘ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ دین کا صحیح علم قائم رہنے تک قیامت نہیں آسکتی‘ اور کسی اہل ایمان پر قیامت کا دن نہیں آئے گا‘ یعنی صرف کافر ہی قیامت کے دن کی صبح دیکھیں گے۔ اگر صحیح علماء موجود نہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت آیا ہی چاہتی ہے‘ جب کہ ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے جو احادیث میں مذکور ہے۔ اسی طرح علمائے حق ابھی موجود ہیں‘ تعداد ان کی بتدریج کم ضرور ہو رہی ہے مگر ابھی ان کا خاتمہ نہیں ہوا۔ رہ گیا خود پڑھنے کا سوال تو دین کا علم حاصل کرنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان کے استاد تھے۔ جیسے ہم دُنیوی علوم سیکھنے کے لیے بہترین استاد اور بہترین تعلیمی ادارے کے محتاج ہیں بالکل یہی معاملہ بلکہ اس سے بڑھ کر دین کے علم کے ساتھ ہے۔ صحیح استاد کے بغیر گمراہی کے امکانات اصلاح سے کہیں زیادہ ہیں۔

بہت سے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولویوں کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ اجتہاد نہیں کرتے۔ دنیا بہت بدل چکی ہے اور یہ ابھی تک ساتویں صدی میں بیٹھے ہیں۔ گزشتہ کئی سال کی جستجو کے بعد میں اس حقیقت کو سمجھ سکا ہوں کہ دین کے معاملے میں علماء اور ائمہ کرام نے بہت عرق ریزی کی ہے اور بے حد گرانقدر علمی کارنامے سرانجام دیے ہیں‘ قصور ان کا ہے جو اس سے ناواقف ہیں۔ لیکن اس میں ایک بات انتہائی اہم ہے‘ وہ یہ کہ ایسی باتیں کرنے والے دراصل احساس کمتری اور اسلام کے معاملے میں شرمندگی کا شکار ہیں۔ وہ حقیقت میں اسلام کو اقوامِ متحدہ کے چارٹر پر منطبق کرنا چاہتے ہیں‘ حالانکہ دین مکمل ہو چکا ہے اور اس کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم ہیں۔ کسی کے نہ ماننے سے اس کی حقانیت پر فرق نہیں پڑتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دین کی تکمیل قیامت تک کے لیے ہو چکی ہے۔ دوسری طرف اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دین کے بنیادی ڈھانچے میں ردوبدل کر سکتے ہیں۔ دین کے مآخذ (sources) چار ہیں: قرآن‘ سنت (یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل)‘ سیرتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین‘ اور اجماعِ امت (جو

کہ درحقیقت اجتہاد کا دوسرا نام ہے)۔ اور پھر ان سب کی اہمیت اور فوقیت بتدریج ہے۔ دین کے معاملے میں آپ کوئی ایسی بات نہیں گھڑ سکتے جو قرآن وسنت یا سیرتِ صحابہ کی حدود سے باہر نکل جائے۔ اور اگر کوئی ایسی بات گھڑ لیتا ہے تو وہ اسلام کے سوا اور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تخلیق آدمؑ سے لے کر آج تک انسانوں کی اکثریت حق کا انکار کرتی آئی ہے۔ ایسے ہٹ دھرموں اور عقل کے اندھوں کا علاج صرف اللہ ہی کے پاس ہے‘ لیکن آج تک کوئی بڑے سے بڑا فرعون بھی اللہ سے اکڑ کر بچ نہیں پایا۔ پس وہی ہوا جو اللہ کی چاہت تھی‘ اور آگے بھی وہی ہوگا جو اُس کی چاہت ہے۔

اس قدر طویل تمہید کی ضرورت یوں پیش آئی کہ یوں تو میں آئے دن اخبارات‘ سوشل میڈیا اور لوگوں سے عجیب وغریب قسم کی باتیں سنتا رہتا ہوں‘ مگر حالیہ دنوں میں سید طلعت حسین جیسے معروف اور غیر جانبدار مانے جانے والے صحافی کے فیس بک پیج پر کسی صاحب کا ’مہدوی اور طالبانی اسلام‘ کے نام سے ایک آرٹیکل شیئر کیا گیا تھا‘ جو کہ ناگہانی آفت کے طور پر میں نے پڑھ لیا اور پڑھ کر جی چاہا کہ سر پیٹ لوں۔ ایسے تمام لوگ جو اسلام کی تعلیمات کی ابجد سے بھی واقف نہ ہوں‘ نام نہاد دہشت گردی کی جنگ کے محرکات اور مقاصد سے ناواقف ہوں‘ افغانستان کے حالات اور اس کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوں‘ اسلام کے علاوہ دیگر ابراہیمی مذاہب یعنی یہودیت اور عیسائیت کے بارے میں ان کو کوئی خاص علم نہ ہو‘ اور مغربی سیاست اور اس کے ارتقاء کی تاریخ کو نہ سمجھتے ہوں‘ ان کو ایسے موضوعات پر قلم اٹھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ مضمون دراصل اسی آرٹیکل کا جواب ہے‘ جس کا مقصد مضمون کے مؤلف کی تضحیک یا تنقید نہیں بلکہ کچھ اصولی باتوں کو واضح کرنا ہے۔ یہ طویل تمہید ان بنیادی اصولوں کو سمجھنے کے لیے بیان کی گئی تھی۔

نام نہاد دہشت گردی اور مغربی سیاسی افکار کے متعلق میں نے کافی کچھ تحریر کیا ہے‘ اور مجھ ناعلم سے کہیں زیادہ واقفیت اور علم رکھنے والے حضرات نے بھی اس موضوع پر قلم کشائی کی ہے۔ اس مضمون میں‘ میں صرف مہدیٔ موعود کا ذکر کروں گا‘ اور طالبان کے اسلام کا ضمنی طور پر ذکر کروں گا۔

میرے بہت سے جاننے والے مجھ سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ مولویوں کو قیامت لانے اور امام مہدی کے ظہور کی اتنی جلدی کیوں پڑی ہے؟ میں ان کو اکثر یہ سمجھاتا ہوں کہ بیشتر مولوی حضرات تو محراب ومنبر پر بیٹھ کر آثارِ قیامت اور قیامت سے پہلے کے فتنوں کا ذکر کرنا

چھوڑ چکے تھے‘ اور اکثر اب بھی نہیں کرتے‘ لیکن عالمی سیاست کے رخ نے‘ مغربی افکار اور اس حقیقت کے ادراک نے کہ قیامت کی تقریباً تمام چھوٹی نشانیاں پوری ہو چکی ہیں‘ ان میں سے چند علمائے حق کو لب کشائی پر مجبور کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو بنیاد پرست کہنے والے عیسائی اور یہودی حکمران دراصل خود انتہائی متشدد اور جنونی قسم کے بنیاد پرست ہیں‘ اور مسلمانوں کے بجائے ان کو ’’ہرمجدون‘‘ یا Armageddon کی جنگ کی جلدی ہے۔ مسلمان علماء کو تو ان کے حکمرانوں کے بیانات‘ ان کے محققین اور صحافیوں کی تحریروں نے جگایا ہے‘ اور یہی وجہ ہے کہ مسلم علماء نے اسلام کے آخری زمانے سے متعلق علم کے بارے میں جتنی تحقیق اور تصنیف گزشتہ بیس سال میں کی ہے شاید گزشتہ دو سو سال میں نہیں کی تھی۔ افغان روس جہاد کے بعد‘ اور خاص طور پر خلیج کی جنگ کے بعد علماء نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے۔ تو یہ مولویوں کی جلدی نہیں بلکہ اس سنت کی تجدید ہے جس کے تحت ہر نبی اور بالخصوص محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو آنے والے زمانے‘ خاص طور پر آخری زمانے کے فتنوں سے متعلق تنبیہ اور تلقین فرمائی۔

مہدی کے خروج اور ظہور‘ دجال کے خروج‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول اور قیامت کے دن کے صحیح وقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ علماء کی باتیں قیاس اور علمی اندازے ہیں جو احادیث کے علم کی روشنی میں وہ حالاتِ حاضرہ کو دیکھ کر قائم کرتے ہیں۔ لیکن عیسائی اور یہودی حکمران طبقہ ان حالات و واقعات پر جو آخری زمانوں سے متعلق ہیں‘ نہ صرف تاریخ اور وقت کا تعین بھی کرتے ہیں‘ بلکہ اپنے زعم میں وہ ان واقعات کو جلد رونما کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں‘ جس سے کہ مسلمان محققین کو پرہیز کرنا چاہیے۔ مسلمان محققین کو صرف اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اصحاب‘ سلف صالحین اور علمائے کرام کے طریقے پر عمل کرنا چاہیے۔ اندازے اور قیاس قائم کرنے میں کوئی قباحت نہیں‘ لیکن وقت کے تعین سے بچنا چاہیے۔ جو لوگ اس حقیقت کے انکاری ہیں کہ عیسائی اور یہودی حکمران ان کوششوں میں مصروف ہیں‘ اور ان کے مذہبی افکار کیا ہیں‘ ان کو چاہیے کہ وہ جان ایف کینیڈی کو چھوڑ کر دوسری جنگِ عظیم سے لے کر آج تک کے تمام امریکی صدور کے مذہبی رجحانات پر تحقیق کریں‘ یا صرف گریس ہالسل‘ جیری فالویل‘ اورل رابرٹسن‘ ٹیڈ ہیگرڈ‘ لوئس لیون اور ہال لینڈسی جیسے لوگوں کی کتابیں اور تحریریں پڑھیں اور بیانات سن لیں‘ یا The Phihdelphia Trumpet کا ہی معمول سے مطالعہ کیا کریں۔ اس سے زیادہ اس بارے میں تفصیل میں جانا اس مضمون کا موضوع نہیں۔

انہی جیسے لوگوں کے بیانات اور خیالات نے علمائے حق کو جگانا شروع کیا۔ ستمبر ۲۰۰۱ء

کے بعد یونیورسٹی میں‘ میں نے بہت زور و شور سے امریکہ مخالف کئی تقریریں کیں۔ میں اُس وقت یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا جو اَب بیان کر رہا ہوں۔ افغانستان سے میری دلچسپی نسلی اور تاریخی تعلق کے باعث تھی۔ میرے ذہن نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ٹوٹے پھوٹے جوتوں اور بوسیدہ کپڑوں والے طالبان امریکہ جیسی فضائی طاقت کو کئی گھنٹے کے لیے جام کر سکتے ہیں۔ امریکی حکام کے بیانات میں اتنا تضاد تھا کہ جس سے جھوٹ اور فریب روزِ روشن کی طرح عیاں تھا۔ بہت سے لوگ اُس وقت بھی اور آج بھی کہتے ہیں کہ طالبان تو ظالم ہیں‘ سخت گیر ہیں‘ جنگجو وحشی ہیں‘ عورتوں پر ظلم کرتے ہیں‘ وغیرہ وغیرہ‘ جیسا کہ افغان طالبان کے بارے میں عام خیال ہے۔ میں اپنے ان دوستوں کو کہتا ہوں کہ پہلی بات تو یہ کہ یہ سب یک طرفہ جھوٹ اور پراپیگنڈہ ہے۔ گزشتہ بارہ سال کے دوران افغان طالبان کے عورتوں پر مظالم کے بارے میں مغرب کے پاس صرف ایک ثبوت ہے اور وہ ایک ویڈیو ہے جس میں ایک طالب کو عورتوں کو پیٹتے دکھایا گیا ہے‘ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ویڈیو فوٹیج متنازعہ ہے‘ اور جن لوگوں نے طالبان کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ یہ ویڈیو افغانستان میں کم از کم نہیں بنی‘ نہ ہی جس ’’طالب‘‘ کو دکھایا گیا ہے اس کا عمامہ باندھنے کا انداز طالبان جیسا ہے کہ جو ایک مخصوص انداز میں سر پر عمامہ باندھتے ہیں۔ اس مخصوص انداز کو دیکھنے کے لیے کبھی ’گوگل‘ پر ذبیح اللہ مجاہد یا طالبان سپوکس پرسن کی تصویر تلاش کر کے دیکھ لیجئے۔

دوسری بات یہ کہ مسئلہ طالبان کے صحیح یا غلط ہونے کا نہیں ہے‘ شاید طالبان ہمدرد علماء میں کبھی کسی نے یہ دعویٰ نہ کیا ہو کہ طالبان غلطیوں سے پاک ہیں یا وہ معصوم ہیں۔ غلطیوں سے پاک صرف اللہ کی ذات ہے اور معصوم صرف پیغمبر ہیں‘ باقی سب گناہ گار خطا کار ہیں‘ کوئی کم کوئی زیادہ۔ اصل مسئلہ امریکہ اور اس کے حواریوں کے غلط‘ جھوٹے اور غاصب ہونے کا ہے۔ کوئی اخلاقی یا شرعی جواز اپنے مسلمان بھائی کے خلاف کافر کا ساتھ دینے کو جائز قرار نہیں دے سکتا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰) ’’بے شک مؤمن تو بھائی بھائی ہیں‘‘ اور قرآن ہی میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ منافق‘ مشرک اور کافر اسلام اور مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے‘ یہ دراصل ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تو اسلام اور مسلمانوں کے ان دشمنوں کے مقابلے میں ایک عام مسلمان کو ہمدردی کس سے

ہونی چاہیے‘ یہ بات بالکل واضح اور کھلی ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے پائے جاتے ہیں کہ طالبان اور امریکہ دراصل ایک ہیں۔ میں اس بات کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا‘ کہ یہ میرا موضوع نہیں‘ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا امریکہ پاگل ہے؟ امریکی تاریخ میں طویل ترین جنگ‘ اربوں ڈالر کا خرچہ کہ نہ صرف ان کی اپنی معیشت کا بلکہ پورے سرمایہ دارانہ نظام کا جنازہ نکل رہا ہے‘ اور جوان کے فوجیوں کے جنازے نکل رہے ہیں وہ الگ ہیں۔ ایک پاکستانی فوجی نے مجھے یہ بتایا کہ امریکہ جتنا مالی اور جانی نقصان تسلیم کرتا ہے‘ اصل نقصان اس سے تین سے پانچ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ تو اگر امریکہ اور طالبان ایک ہیں تو کیا وہ پاگل ہیں جو یہ سب کچھ سہہ رہے ہیں؟ اور انہی طالبان سے‘ جن کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا دعویٰ کر کے وہ افغانستان میں کودا تھا‘ محفوظ راستے کی خاطر ترلے کرتا نظر آتا ہے۔

اسلام کی آخری زمانے سے متعلق تعلیمات کا زیادہ تر حصہ احادیث و روایات میں موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو آنے والے زمانوں کے حالات اور فتنوں کے بارے میں کھول کھول کر بیان فرمایا اور قیامت تک کے تمام واقعات و فتن کے بارے میں تنبیہ فرماتے رہے‘ کیونکہ ان میں ایسے ہولناک فتنے بھی ظاہر ہوں گے کہ جان و مال تو ایک طرف ایمان بچانا بھی شدید مشکل ہو جائے گا۔ انسانوں کی اکثریت صرف لاعلمی‘ کم علمی اور گمراہی کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہو گی۔ مہدی آخرالزماں کے بارے میں ائمہ وسلف صالحین اور علماء کا اجماع ہے کہ آخری زمانے کے فتنوں میں مہدی ہی امت کی ڈگمگاتی کشتی کو سنبھالیں گے۔ اسی لیے مہدی کا خراسان سے خروج اور مکہ میں ان کا ظہور اور خلافت کی بیعت قیامت کی بڑی اور چھوٹی نشانیوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام کرتی ہے۔ قیامت کی چھوٹی اور دُور کی نشانیاں آہستہ آہستہ اور لمبے عرصے میں پوری ہوں گی اور جب پوری ہو جائیں گی تو مہدی کا ظہور ہو گا‘ اور اس کے بعد قیامت کی بڑی اور قریب کی نشانیاں تواتر اور تیزی سے پوری ہوں گی۔ احادیث و روایات میں یہ معاملات انتہائی تفصیل سے کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں اور بعض باتیں تو اتنی واضح ہیں کہ حیرت و استعجاب اور خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ مجھ جیسے کم مائیگی کے شکار انسان کو بھی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ یہ سب کچھ پورا ہو چکا ہے اور جو رہ گیا ہے وہ ہماری آنکھوں کے سامنے پورا ہو رہا ہے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد میں نے جب عالمی سیاست پر تحقیق شروع کی اور اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ یہودی اور عیسائی حکمران اپنے زعم میں ’’ہرمجدون‘‘ کے انتظامات میں مصروف ہیں تو میں نے تینوں ابراہیمی مذاہب اور خاص طور پر اسلام کے آخری زمانے سے متعلق تعلیمات کا مطالعہ شروع کیا۔ گزشتہ برسوں میں بہت سی گرانقدر تصنیفات اور علماء کے بیانات سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اور ٹرینڈاڈ کے شیخ عمران نذر حسین کے بیانات اور تحریریں نظر سے گزریں۔ اس کے علاوہ مفتی رفیع عثمانی صاحب کی ’علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیحؑ‘، مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی ’قیامت نامہ‘، مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی ’علاماتِ قیامت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئیاں‘، مفتی نظام الدین شامزئی شہید کی ’عقیدۂ ظہورِ مہدی احادیث کی روشنی میں‘، مولانا محمد یوسف خان کی ’اسلام میں امام مہدی کا تصور‘، مولانا ابن سلطان محمود کی ’امام مہدی اور ان کا لشکر‘، مصری جامعہ الازہر کے استاد جمال الدین کی ’امت مسلمہ کی عمر‘ اور ’ہرمجدون‘ نامی کتابوں کا اردو ترجمہ‘ مفتی ابولبابہ شاہ منصور کی ’دجال: کب‘ کہاں‘ کیسے؟‘، اور مولانا عاصم عمر کی ’تیسری جنگ عظیم اور دجال‘ اور ’امام مہدی کے دوست و دشمن‘ کے مطالعے کا موقع ملا۔ ان کے علاوہ براہِ راست احادیث کی کتابوں سے روایات کو پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ اور آج ۲۰۱۳ء میں جب میں ان باتوں کا جائزہ لیتا ہوں تو یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ معاملات خطرناک حد تک آگے جا چکے ہیں اور کوئی تو وجہ ہے کہ سعودی حکام بھی چوکنے ہو چکے ہیں کہ اس بار حج کے موسم میں ان کو خصوصی تنبیہ جاری کرنی پڑی ہے کہ حجاج سیاسی سرگرمیوں سے دور رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی عمر کو پانچ زمانوں میں تقسیم فرمایا ہے: (۱) دورِ نبوت یعنی آپ ﷺ کا اس دنیا میں اپنا قیام (۲) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ‘ یعنی دورِ خلافتِ راشدہ (۳) طویل طاقتور یا آزاد منش بادشاہتیں (۴) ظالم‘ جابر‘ منافق‘ اور غلام منش بادشاہتیں‘ اور (۵) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دوبارہ قیام۔ علماء کرام اور محدثین اس بات پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اس وقت امت اپنی عمر کے چوتھے حصے کے آخر میں ہے‘ اور درحقیقت پہلی جنگ عظیم کے بعد سے مسلمانوں پر ظالم‘ جابر‘ منافق اور غلامانہ ذہنیت کا حکمران طبقہ مسلط ہے‘ بلکہ کیا گیا ہے۔ علماء و محققین کا اس بارے میں یہ خیال بھی ہے کہ جیسے پہلی خلافتِ راشدہ میں کل چار خلفاء تھے‘ خلافتِ راشدہ کے دوبارہ قائم ہونے پر بھی چار ہی خلفاء آئیں گے‘ جن میں

دوسرے امام مہدی‘ تیسرے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور چوتھے ایک معاذ یا قعاد نامی شخص ہوں گے۔ پہلے خلیفہ کا نام روایات میں موجود نہیں‘ لیکن اصل کام اسی پہلے خلیفہ نے کرنا ہے‘ یعنی جہاد کی تجدید اور مہدی کے لیے راستے کی صفائی۔

احادیث سے یہ بھی پتا لگتا ہے کہ جہاد قیامت تک بنا کسی وقفے یا تعطیل کے جاری رہے گا‘ یہاں تک کہ امت کی ایک جماعت دجال سے قتال کرے گی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ فی زمانہ جہاد کون کر رہا ہے؟ لیکن عقل کے اندھوں کا کیا ماتم کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ کے قول کے مطابق اسلام کی نشأۃ ثانیہ جہاد اور تلوار کی نوک پر ہوگی۔ سابقہ صحیفوں یعنی انجیل اور تورات میں بھی آخری زمانوں سے متعلق بہت سی پیشین گوئیاں موجود ہیں‘ اگرچہ اکثر کی شکل مسخ کر دی گئی ہے‘ لیکن کچھ باتیں اب بھی اپنی اصل پر باقی ہیں اور ان کی نشانی یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے مماثلت رکھتی ہیں۔ بنی اسرائیل کبھی خدا کی بڑی محبوب قوم تھی‘ لیکن اپنی مسلسل سرکشی سے معتوب اور ملعون قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب وہ کسی قوم کو معتوب کر دیتا ہے تو اس کو عذابِ استیصال دیتا ہے‘ لیکن اس قوم کی رسّی دراز ہے اور ان کا عذاب موقوف ہے‘ اور اس میں اللہ کی بڑی مصلحت ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو پوری تاریخِ انسانی میں ذلیل وخوار کیا ہے اور ان میں سے گمراہوں کا بڑا ہی دردناک انجام ہے۔ بنی اسرائیل کے کُل تیرہ قبائل تھے۔ حوادثِ زمانہ اور پے در پے ہجرت اور غلامی نے ان کے دس قبائل کو تاریخ کے صفحات میں گمشدہ کر دیا۔ یہودی اور عیسائی محققین صدیوں سے ان کی تلاش کر رہے ہیں‘ کیونکہ انجیل کے بقول یہ گمشدہ قبائل ہی حضرت یعقوب یا اسرائیل علیہ السلام کی ہدایت یافتہ اولاد ہے‘ اور آخری زمانے کی جنگوں میں ان کا دوبارہ ظہور ہوگا اور یہ حق کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کریں گے۔ انجیل ان ہدایت یافتہ گم شدہ قبائل کو خدا کے جنگی کلہاڑے (God's Battle Axe) کے نام سے پکارتی ہے۔ یہاں تک اسلام اور یہودیت و عیسائیت کی تعلیم یکساں ہیں۔

احادیث و روایات سے پتا لگتا ہے کہ امام مہدی کی حکومت قائم کرنے اور ان کی مدد کے لیے دو لشکر آئیں گے‘ ایک مشرق سے اور دوسرا یمن سے‘ اور جو لشکر مشرق سے آئے گا وہ ستّر ہزار بنی اسرائیلی مسلمانوں پر مشتمل ہوگا۔ یعنی گم شدہ ہونے کے بعد سے آج تک اس دوران صدیوں پر محیط اس لمبے عرصے میں وہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ انجیل میں آتا ہے کہ خدا نے ان

قبائل کو دریائے گوزان کے پار روپوش کر دیا۔ دریائے گوزان‘ دریائے آمو کا تاریخی نام ہے‘ اور دریائے آمو افغانستان کے عین بیچ سے گزرتا ہے۔ افغانستان میں آباد پشتون قبائل کا ہمیشہ سے یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہیں‘ اور یہ پٹھان ہی ہیں جن کے ڈی این اے پر ممبئی اور تل ابیب کی لیبارٹریوں میں تحقیق کے بعد یہ بات اور بھی واضح ہو چکی ہے کہ ان کا دعویٰ صحیح ہے۔ پختونوں کی اپنی روایات اور تاریخ کی تحقیق اس کے علاوہ ہے۔ یہ زیرغور رہے کہ یہ تحقیق ۲۰۰۱ء سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ مغرب چن کر ان علاقوں پر سب سے پہلے حملہ آور ہوا ہے جہاں سے اسے مدافعت کا یقین تھا‘ ڈرون حملے افغانستان اور یمن دونوں میں جاری ہیں۔ پٹھانوں کے ڈی این اے پر ریسرچ کرنے والی اسرائیلی یونیورسٹی کی شیلوہ ویل کہتی ہے:

"Of all the groups, there is more convincing evidence about the Pathans than anybody else, but the Pathans are the ones who would reject Israel most ferociously. That is the sweet irony." (Shalwa Weil, Hebrew University of Jerusalem)

وہ ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ پٹھان ہی اسرائیل کے سب سے شدید مخالف ہیں (حالانکہ وہ ان کے رشتے دار ہیں)۔ یہ خدا کی مشیت ہے اور عذابِ الٰہی کا ایک عبرت ناک مظہر ہے‘ کہ اس قوم کے گمراہ اور معتوب حصے کا خاتمہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے رشتے داروں کے ہاتھوں مقدر کر دیا ہے۔ اللہ کی ایک اور مصلحت کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی نبی آخرالزماں ﷺ کی نشانیوں کو اچھی طرح پہچانتے تھے لیکن اس ہٹ دھرمی کی بنیاد پر قبول نہیں کرتے تھے کہ آخری نبی کو بنی اسرائیل سے ہونا چاہیے تھا بنی اسماعیل سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بنی اسماعیل اور اولادِ رسول اللہ ﷺ میں سے ایک شخص محمد بن عبداللہ المعروف امام مہدی کے ہاتھوں ہی کرائے گا اور ان کے مددگار اور معاون بنی اسرائیل کے اپنے مسلمان رشتے دار ہوں گے۔

یہ ہے افغانستان کی اہمیت۔ مسئلہ صرف طالبان کا نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ طالبان وہ لوگ نہ ہوں جو مہدی کے مددگار ہوں‘ لیکن اگر وہ نہیں ہیں تو مہدی کا لشکر انہی کی اولادوں میں کہیں ظاہر ہوگا‘ کہ علاقہ بھی وہی ہے اور نسل بھی وہی ہے جس کی پیشین گوئی موجود ہے‘ لیکن ان دو نشانیوں کے علاوہ کم از کم پندرہ مزید ایسی نشانیاں ہیں کہ دھیان بار بار افغان طالبان ہی کی طرف جاتا ہے۔ واللہ اعلم! اور احادیث و روایات سے پتا لگتا ہے کہ مہدی ابتدا میں خود بھی

یہیں موجود ہوں گے' کیوں کہ یہی وہ علاقہ ہے جس کو احادیث نے طالقان یا خراسان کا نام دیا ہے۔ لیکن اُس وقت ان کو خود معلوم نہیں ہوگا کہ وہ مہدی ہیں۔ وہ ممکنہ طور پر ایک مجاہد کی حیثیت سے وہاں موجود ہوں گے اور ان کا خروج خراسان سے اور ظہور مکہ میں ہوگا۔ استاد جمال الدین نے کئی روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ امت مسلمہ کی کل عمر ۱۵۰۰ سال ہے' اور اس وقت ہجری سال ۱۴۳۴ جاری ہے۔ وہ اپنی کتاب 'ہر مجدون' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں' جس میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ مہدی کا خراسان سے خروج چودھویں صدی کے دوسرے یا تیسرے عشرے میں ہوگا۔ یعنی اس روایت کے مطابق وہ خراسان سے یا تو اپنے وطن (مدینہ) کی طرف واپس نکل چکے ہیں یا نکلنے والے ہیں' ان کا ظہور مکہ میں کعبہ کے احاطے میں ہونا ہے۔ گزشتہ ۳۳ برس سے افغانستان میں بیرونی غاصبوں کے خلاف جہاد جاری ہے' اور بہت سے عرب مجاہدین اس خطے میں آ چکے ہیں' کچھ از خود واپس لوٹ گئے' کچھ ۲۰۰۱ء کے بعد ہونے والی پکڑ دھکڑ میں واپس بھیجے گئے' کیا معلوم انہی میں کوئی محمد بن عبداللہ نامی مجاہد اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہو؟

اکثر افغان روس جہاد کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں افغانوں کا کیا کمال تھا؟ پیسہ اور ہتھیار تو امریکہ کے دیے ہوئے تھے۔ یہ بات جنگی نفسیات کے خلاف ہے۔ جنگیں ہتھیاروں اور نعروں سے نہیں سپاہیوں کے حوصلوں سے لڑی جاتی ہیں۔ انگریزوں کی ہی ایک کہاوت ہے کہ "It is not the gun but the man behind the gun who fights" تو ہتھیار یا پیسہ جس کسی کا بھی تھا' لڑنے والے تو افغان تھے' اور جنگ ان کے حوصلوں نے جیتی تھی۔ اور پھر اس بار کیا ہوا؟ اب تو کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی' یا مردِ کہستانی!

دراصل اللہ تعالیٰ کفار کا مکر خود اُن کے اپنے لیے پھندہ بنا رہا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ عالَمِ اسلام میں کچھ لوگ امریکہ کے زرخرید ہوں' لیکن سارے مسلمان برائے فروخت نہیں ہیں۔ اللہ کے اہلِ حق بندے ابھی اس دنیا میں موجود ہیں اور علم بھی ابھی موجود ہے۔ مسلمان تو کب کے جہاد کو فراموش کر چکے تھے اور آج بھی بہت سے ایسے علمائے سوء ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کا کہنا ہے کہ جب تمہارے پڑھے لکھے یہ کہنے لگیں کہ یہ

جہاد کا زمانہ نہیں تو وہ جہاد کا بہترین زمانہ ہے۔ امریکہ نے اپنی عالمی اجارہ داری اور سیاست کی تسکین کے لیے بے شک روس کے خلاف مسلمانوں کا استعمال کیا' ساری دنیا سے علماء اور رضا کاروں کو یہاں جہاد کے نام پر جمع کر کے اس جہاد کو خود زندہ کر دیا جس کو مسلمان بھول بیٹھے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں کچھ لوگوں کے اپنے ایجنڈے ہوں' جیسا کہ بعد کی خانہ جنگی سے ظاہر ہوا' لیکن ایک مسلمان جب جنگ اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دشمن سے لڑ رہا ہے تو اُس کی آرزو شہادت اور اُس کا نعرہ اللہ اکبر ہوتا ہے۔ اس کو کسی دنیوی طاقت کے ایجنڈے کی پروا نہیں ہوتی۔ اسی لیے وہ خاموش سپاہی جو روس کے جانے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے' اکابر رہنماؤں کی خانہ جنگی اور خانہ خرابی دیکھ کر ایک بار پھر میدان میں آ گئے اور یوں افغان طالبان کی بنیاد پڑی۔ امریکہ نے اپنے لیے یہ پھندا خود تیار کیا ہے' بے شک اللہ کارساز ہے اور کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ نے ان کے ایجنڈے ان ہی پر الٹ دیے ہیں۔ اسی لیے مسلمانوں کو ان کی اس قسم کی باتوں Regime Change, New Middle East وغیرہ جیسی سازشوں اور ظاہری حالات سے گھبرانا یا دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ شروعات انہوں نے کی ہے' اختتام اللہ کی مشیت کے مطابق اللہ کے بندے کریں گے۔

اور بہت سے معاملات اور حالات احادیث کی حقانیت کو تواتر سے ثابت کرتے آ رہے ہیں۔ بہت سے ایسے معاملات تھے جن کو سمجھنا کچھ برس پہلے تک بے حد مشکل تھا' لیکن اب بے حد واضح ہو گیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں کتابِ دانیال (Book of Daniel) میں آتا ہے کہ یروشلم میں ظلم کی پلید حکومت ۴۵ برس قائم رہے گی۔ مسلمان کچھ عرصہ قبل تک اس کو سمجھنے میں مشکل کا سامنا کر رہے تھے' کہ ۴۵ برس کہاں سے گنے جائیں' اور پورے ہوں گے تو ظلم کی حکومت ختم کیسے ہوگی کہ ابھی تو امام مہدی بھی ظاہر نہیں ہوئے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو کئی روایات ملا کر سمجھنے سے سمجھ میں آتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کی فیصلہ کن اور آخری جنگ دریائے اردن پر لڑی جائے گی' دریا کے ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف یہودی ہوں گے۔ یہ ایک طرح سے خوش خبری ہے' یعنی یہ کہ امریکہ جتنی مرضی ''نئے مشرقِ وسطیٰ'' کی بڑھکیں مارتا رہے' اسرائیل اپنی موجودہ حد سے آگے نہیں بڑھ پائے گا' کیوں کہ دریائے اردن ہی اس وقت ملک اردن اور اسرائیل کے درمیان بارڈر کا کام کرتا ہے۔ دریا کے ایک طرف ملکِ اردن ہے اور دوسری طرف اسرائیل۔ اب واپس کتابِ

دانیال پر آ جائیں جو بتاتی ہے کہ ظلم کی سلطنت یروشلم پر ۴۵ برس قائم رہے گی۔ اسرائیل اپنی موجودہ سرحدوں پر ۱۹۶۷ء میں قائم ہوا تھا۔ اس میں ۴۵ جمع کیجئے تو ۲۰۱۲ء کا سال بنتا ہے۔ بہت سے علماء اور محدثین کا خیال ہے کہ ان ۴۵ برس کے مکمل ہونے پر اسرائیل کے خاتمے کا آغاز ہوگا۔ اب آپ ۲۰۱۲ء کے سال کو دوبارہ کھنگالیے' آپ کو پورے مشرقِ وسطیٰ میں عرب بہار (Arab Spring) نظر آئے گی۔ کھیل پھر وہی ہے۔ شروع امریکہ نے کیا ہے' اپنی اجارہ داری اور گریٹر اسرائیل کے قیام کے لیے' لیکن انجام اس کی مرضی کا نہ ہونا ہے نہ ہو رہا ہے۔ شام سے لے کر مصر تک' اور مصر سے لے کر مراکش تک' سر پھرے دین کے دیوانے مسلمان قوت اور اقتدار پا رہے ہیں' اسلام کے علم اور نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ عرب جاگ گئے ہیں' میدان سج چکے ہیں اور معرکے شروع ہو چکے ہیں۔

شام اور مصر کے حالات کا اکٹھے خراب ہو جانا بھی ایک ایسا ہی امر ہے کہ جس سے اس خیال کو تقویت مل رہی ہے کہ مہدی کا ظہور بہت قریب آ چکا ہے۔ یہ بات بھی روایات سے ثابت ہے۔ احادیث میں جس شام کا ذکر ہے اس میں موجودہ ملکِ شام' اردن' لبنان' اسرائیل' فلسطین مکمل طور پر' عراق' سعودی عرب اور ترکی کا بھی کچھ علاقہ شامل ہے۔ فلسطین میں تو خون زمانے سے بہہ رہا ہے' لیکن اب موجودہ ملکِ شام میں ہونے والی خانہ جنگی نے تمام عالم میں علمِ آخرالزماں کے محققین کو بے چین اور اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ شام کی احادیث میں بے حد اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق آخری زمانے کے فتنوں میں ایمان شام میں ہوگا اور وقت کے بہترین مجاہدین شام میں جمع ہوں گے' اور شام کو لازم پکڑنے کی تلقین فرمائی۔ شام کے شہر دمشق کے مقام الغوطہ ہی میں امام مہدی کا ہیڈ کوارٹر بنے گا' اور دمشق ہی میں عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ خود شامی حکومت کا باغیوں کے بارے میں یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ وہ ان لوگوں سے لڑ رہے ہیں جو شام میں خلافت کا قیام چاہتے ہیں۔ شام کی جنگ براہِ راست لبنان اور عراق تک تو پہنچ ہی گئی ہے' جبکہ اس کے اثرات پورے خطے میں محسوس کیے جا رہے ہیں' خاص طور پر اردن' ترکی' مصر' فلسطین اور سعودی عرب میں' اور اس بات کا بے حد امکان موجود ہے کہ یہ جنگ بالآخر ان ملکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ ویسے بھی مغرب عرصۂ دراز سے ترکی اور سعودی عرب کے حالات خراب کرنے کے درپے ہے' لیکن ان کی وجوہات بالکل مختلف ہیں۔ ترکی میں بغاوت کے

لیے سیکولر طبقے کی پیٹھ ٹھونکی جا رہی ہے' جب کہ سعودی عرب کے مشرقی صوبے میں شیعہ اکثریت کو بغاوت پر اکسایا جا رہا ہے' بلکہ ان دونوں ملکوں کے ان طبقوں کی اخلاقی اور مالی امداد کی رپورٹیں بھی سننے کو ملتی ہیں۔

روایات سے پتا لگتا ہے کہ مہدی کے ظہور کے وقت ترکی پر اسلام دشمنوں کا قبضہ ہوگا' اور مہدی استنبول کو فتح کریں گے' اور مہدی کا ظہور ہوگا ہی اُس وقت جب جزیرۃ العرب میں بادشاہ کی وفات پر تخت نشینی پر اختلاف ہوگا' قبائل بغاوت کریں گے اور خانہ جنگی چھڑ جائے گی۔ تو یہ عین ممکن ہے کہ مغرب اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائے۔ سعودی عرب میں بادشاہ کی جانشینی کا قانون بڑا پیچیدہ اور مبہم ہے۔ اب تک تخت شاہ عبدالعزیز السعود کے اپنے بیٹوں میں محدود رہا ہے' لیکن اب ان بھائیوں کی اکثریت یا انتقال کر چکی ہے یا بے حد ضعیف ہو چکی ہے' اور اس بات کا امکان ہے کہ شاہ عبداللہ کے بعد بالآخر تاج و تخت اگلی نسل کو منتقل ہو جائے گا' لیکن یہ اتنا واضح یا آسان نظر نہیں آتا۔ شاہی خاندان میں کئی گروہ بندیاں ہیں اور شہزادوں کی تعداد سینکڑوں میں بھی نہیں ہزاروں میں ہے۔ یہ بغاوت' خانہ جنگی' قتل عام اور امام مہدی کا ظہور ایک ہی سال ہوگا اور اس سال حج بغیر امام کے ہوگا۔ یعنی واقعات اتنی سرعت کے ساتھ پے در پے رونما ہوں گے کہ کسی کو سوچنے سنبھلنے کا موقع نہ ملے گا کہ مہدی کا ظہور اور خلافت کی بیعت ہو جائے گی۔ اس سال رمضان میں ایک ہی ماہ کے اندر چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ عین رمضان کے وسط میں جمعہ کی شب کو آسمان سے ہولناک دھماکے دار آواز آئے گی۔ شوال میں شور شرابہ اور اختلافات ہوں گے۔ ذوالقعدہ میں قبائل بغاوت کریں گے' حاجیوں کو لوٹا جائے گا۔ عین حج کے دنوں میں مکہ اور منیٰ میں قتل عام ہوگا' یہاں تک کہ جمرہ عقبہ پر خون بہے گا' اور محرم میں عاشورہ کے دن رکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کے درمیان مہدی کا ظہور اور بیعت ہوگی۔

مشرقِ وسطیٰ کے حالات کے متعلق اور بالخصوص شام اور مصر کے متعلق حالات کا دارومدار سعودی عرب اور ترکی کے حالات پر ہے۔ جیسے امریکہ یہ کہتا ہے کہ افغانستان کی چابی پاکستان میں ہے' اسی طرح شام اور مصر کے مستقبل کا تعین سعودی عرب اور ترکی کے حالات سے ہوگا۔ جو لوگ امریکہ کے رک جانے اور شام پر حملہ نہ کرنے کے متعلق یہ سوچ رہے ہیں کہ امریکہ ڈر گیا یا اپنے ایجنڈے سے پیچھے ہٹ گیا تو وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ امریکہ آئے گا اور اس

بار ۸۰ جھنڈوں کا اتحاد بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ دنیا کے معاشی اور سیاسی حالات یہ بتا رہے ہیں کہ ایک بڑی عالمی جنگ قریب آ لگی ہے‘ مستقل معاشی بحران بڑی جنگ کا پتا دے رہے ہیں۔ امریکہ‘ روس اور چین کے اختلافات کھل کر سامنے آ رہے ہیں۔ روس اور چین بہت عرصے سے امریکہ کو اپنا گھیرا ڈالتے خاموشی سے دیکھ رہے ہیں‘ اور اب اتنا پانی پل کے نیچے سے گزر چکا ہے کہ وہ کھل کر سامنے آنے پر مجبور ہیں۔ عنقریب ٹکراؤ ہونے کا بہت زیادہ امکان ہے‘ اور یہی تیسری جنگِ عظیم کہلائے گی۔ اور میرے ناقص خیال میں یہی وہ جنگ ہوگی کہ جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رومیوں سے صلح کر کے عقب کے دشمن پر حملہ آور ہوگے۔ شام کے معاملے میں روس باغیوں کا دشمن اور بشارالاسد کا مربّی بن چکا ہے‘ اور شام ہی بالآخر اس ٹکراؤ کا باعث بنے گا۔ یہی وہ جنگ ہوگی کہ جس سے بالکل پہلے یا بالکل شروع میں امام مہدی کا ظہور ہوگا‘ جس کے اختتام کے قریب دجال کا خروج ہوگا‘ اور اس کے آنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لے آئیں گے۔ یہی وہ جنگ ہوگی کہ جس کے بارے میں روایات میں آیا ہے کہ تم عقب کے دشمن کو شکست دینے کے بعد فارس (ایران) پر حملہ آور ہو گے‘ اور ایران ہی کے علاقے اصفہان سے ستّر ہزار یہودی دجال کی فوج کی صورت میں نمودار ہوں گے‘ اور امام مہدی اس تمام دورانئے میں مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ ہوں گے۔ اور پھر بالآخر صلیب کے توڑے جانے کا واقعہ ہوگا اور **المَلحمۃُ الکُبریٰ** لڑی جائے گی۔ عیسائی محققین تو اس تمام معاملے پر وقت کا تعین کرتے ہیں‘ بہت سے عیسائی محققین کے نزدیک تیسری جنگ عظیم ۲۰۱۴ء سے ۲۰۲۱ء تک لڑی جائے گی۔ بہرحال یہ ان کی سوچ ہے‘ ہماری دلچسپی کی بات یہ ہے کہ وہ بھی اس جنگ کے بارے میں سات سالوں کا تعین کرتے ہیں اور ہماری روایات بھی یہی بتاتی ہیں کہ مہدی کی جنگ سات سال جاری رہے گی‘ اور ساتویں سال ہی میں آگے پیچھے مسیح الدجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

آگے آنے والے دنوں اور ہفتوں میں وہ تمام لوگ جو دل میں امت کی فکر اور درد محسوس کر رہے ہیں‘ ان کو سعودی عرب اور ترکی کے حالات پر خصوصی نظر رکھنی چاہیے۔ میرے نزدیک معاملہ بالکل نزدیک آ لگا ہے اور فصل پک چکی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں اس قیاس میں غلط ہوں‘ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے‘ ایمان و استقامت عطا فرمائے اور اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہماری اصلاح فرمائے۔ آمین!

ان حالات میں پاکستانیوں کے لیے یہ بات بے حد ضروری ہے کہ وہ پاکستان کی بنیاد کو سمجھیں۔ اگر پاکستان سے اسلام کو نکال دیا جائے تو پاکستان بنانے کا مقصد اور نظریہ فوت ہو جاتا ہے‘ اور جس قوم کا نظریہ فوت ہو جاتا ہے اس قوم کو وقت کا بے رحم دھارا بہا کر لے جایا کرتا ہے۔ خود سوچنے کی بات ہے کہ اگر پاکستان کو سیکولر ہی بنانا تھا اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو دو قومی نظریے کے کھڑاگ کی کیا ضرورت تھی؟ علامہ اقبال خدانخواستہ کیا گمراہ تھے؟ جناح خدانخواستہ کیا جھوٹے اور دھوکے باز تھے؟ ہم ’سیکولر‘ کانگریس کے ساتھ سیکولر ہندوستان میں کیوں نہ رہ لیے؟ اسلام ہی پاکستان کی بنیاد اور اساس ہے۔ ہم سب کو چاہیے کہ ہم اپنی بنیاد کو مضبوطی سے تھام کر ’بنیاد پرست‘ ہو جائیں کہ درخت وہی قائم رہتے ہیں کہ جن کی جڑ مضبوط ہو۔ علمائے حق کو تلاش کریں‘ ان سے دین سمجھیں اور سمجھائیں اور دین کی کوئی عملی خدمت کریں۔ آنے والے حالات اور حادثات کے لیے خود کو ذہنی‘ روحانی اور جسمانی طور پر تیار کریں۔ آج نہیں تو کل ان حالات کو آنا ہے کہ یہ مشیتِ الٰہی ہے۔ اور حکمرانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں عوام کی ضروریات پوری کریں‘ ان کی صحیح ترجمانی کریں‘ امریکی کاسہ لیسی اور جھوٹی بے شرم جنگ سے جان چھڑائیں اور افغانستان میں صرف اسلام اور پاکستان دوستوں کے ہاتھ مضبوط کریں‘ ان شاء اللہ پاکستان میں خود بخود امن قائم ہو جائے گا اور ہمیں آنے والے آنے خطرناک حالات تک سانس لینے اور تازہ دم ہونے کا موقع مل جائے گا۔

❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

امریکہ نے جب یہ دیکھا کہ غیر معمولی نوعیت اور انتہائی اہمیت کا حامل جغرافیائی محل وقوع رکھنے والا پاکستان تنہا ہو کر صرف اس پر یعنی امریکہ پر انحصار کر رہا ہے تو اُس نے دوستی کو آقا اور غلام کے رشتے میں تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ بدقسمتی سے ہمارے حکمرانوں نے اس تبدیلی کو روکنے کی بجائے ذاتی مفادات اور اپنے اقتدار کی خاطر اس غلامی کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ امریکہ دُور کی سوچ رہا تھا اور طویل المدت منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پہلے سوویت یونین سے نمٹ کر اور کمیونزم کو نظریاتی شکست دے کر دنیا کی سپریم قوت یعنی واحد سپر طاقت بنا جائے۔ اس کے لیے اس نے مذہبی شخصیات اور اسلامی ریاستوں سے مذہب اور خدا کے نام پر مدد مانگی۔ لیکن اس پروسس کے دوران بھی اس نے اسلامی ریاستوں پر کڑی نگاہ رکھی اور ان کی کوئی ایسی مدد نہ کی جس سے کوئی ایک ملک بھی اپنے تئیں ایک مضبوط اور مستحکم ریاست بن سکے۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا تھا' پھر یہ کہ جلد اس کی فوج ایک مضبوط اور منظم فوج سمجھی جانے لگی تھی' لہٰذا اس پر خصوصی نظر رکھی اور دوستی کی آڑ میں جب موقع ملا پاکستان کی پیٹھ میں منصوبہ بندی کے ساتھ چھرا گھونپا۔ کیونکہ جس طویل المدت منصوبہ بندی کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ تھی کہ اسلامسٹس کے ساتھ مل کر کمیونزم سے نجات حاصل کی جائے' پھر انہیں تنہا کر کے اسلامی پاکستان سے دو دو ہاتھ کیے جائیں۔ پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے حوالے سے صرف ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔ ۱۹۶۲ء میں جب بھارت اور چین میں سرحدی جھڑپیں ہوئیں تو بھارت خوفزدہ ہو کر کشمیر سے فوج نکال کر چین کی سرحد پر لے گیا۔ چین نے پاکستان سے کہا کہ یہ تمہارے لیے سنہری موقع ہے کہ تمہیں کشمیر میں واک اوور مل جائے گا' کوئی مدافعت نہیں ہوگی اور کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ لیکن اس قوم کی بدقسمتی جس پر اُس وقت ایک فوجی طالع آزما مسلط تھا' جو عوامی نمائندہ نہ تھا' اسے سیاست دانوں کی مخالفت کا سامنا تھا اور اسے اپنے اقتدار کے لیے امریکی حمایت کی ضرورت تھی' لہٰذا وہ کشمیر جسے قائداعظم نے پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا' ایوب خان نے اسے اپنے اقتدار پر قربان کر دیا۔ حماقت کی انتہا یہ ہے کہ امریکہ کی اس یقین دہانی پر اعتبار کر لیا گیا کہ ہند چینی جنگ کے بعد بھارت کو کہہ کر مسئلہ کشمیر حل کروا دیا جائے گا۔

امریکہ کی دوستی کی آڑ میں دوسری دشمنی یہ تھی کہ اس نے پاکستان کی اس انداز میں امداد

کی کہ پاکستان کبھی معاشی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے' لہٰذا ہمارے غلام حکمرانوں کو کبھی امریکہ نے یہ اجازت نہ دی کہ وہ پاکستان کا وزیرخزانہ اور وزیردفاع اس کی اجازت کے بغیر لگائیں۔ ۱۹۶۲ء سے لے کر اب تک نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے' امریکہ پاکستان کو ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرتا ہے۔ پاکستان کو معاشی اور اقتصادی لحاظ سے اُس نے کس طرح تباہ کیا اور اپنے اس معاملے میں کس نوعیت کی غداری کے مرتکب ہوئے یہ ایک طویل داستان ہے' جو مختصراً بھی ایک جریدے کے اداریے میں سما نہیں سکتی۔ امریکہ سمجھتا تھا کہ معاشی لحاظ سے کمزور ملک غلامی قبول کرنے پر مجبور ہوگا اور وہ دفاعی لحاظ سے مضبوط ہونے کے باوجود اپنا دفاع نہیں کر سکے گا۔ بیسویں صدی کے آخر تک بعض امریکی کوششوں کے باوجود پاکستانی فوج ایک مضبوط فوج تھی' لیکن نائن الیون کے بعد پرویز مشرف نے افغانستان میں امریکی فوج کا اتحادی بن کر فوج کو زبردست زک پہنچائی۔ اب صورتِ حال یہ بن چکی ہے کہ فوج اپنوں سے لڑائی میں الجھ گئی ہے' وہ بیرونی دشمنوں کا کیا مقابلہ کرے گی۔ لہٰذا ہم بھارت کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہیں' جس کے لیے امریکی دباؤ بھی رہتا ہے' اور وہ خود پاکستان کے ازلی دشمن بھارت سے محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔

یوں تو امریکہ اپنے پروگرام کے مطابق کمیونزم کو ختم کر کے پوری ملت اسلامیہ کا دشمن بن کر سامنے آیا ہے' لیکن عملی طور پر وہ پاکستان کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی معیشت اور امریکی میڈیا پر یہودی تسلط قائم ہو چکا ہے اور اسرائیل یہ سمجھتا ہے کہ اگرچہ اس کی براہِ راست دشمنی عربوں سے ہے' لیکن عرب ممالک یوں تو کبھی بھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اسرائیل کے عزائم کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے' لیکن اب تو عراق کو تباہ و برباد کرنے اور مصر کو زیرتسلط لانے کے بعد عربوں میں یہ سکت ہی نہیں رہی کہ وہ نظریں اٹھا کر اسرائیل کی طرف دیکھ سکیں۔ اب تو عربوں میں اسرائیل سے تعلقات قائم کرنے اور بڑھانے کی ریس لگی ہوئی ہے۔ البتہ پاکستان ایٹمی قوت ہونے کی وجہ سے اور نظریاتی ریاست ہونے کی بنا پر اسرائیل کی آنکھ میں بری طرح کھٹک رہا ہے' لہٰذا اسرائیل کی سلامتی کا تحفظ مکمل کرنے کے لیے پاکستان کی ایٹمی آنکھ پھوڑنے کا منصوبہ ہے۔ کوئی امریکی صدر یہودیوں سے کلیرنس لیے بغیر نہ منتخب ہو سکتا ہے' نہ صدر کا عہدہ برقرار رکھ سکتا ہے۔ امریکی صدر کو کسی امریکی ریاست سے زیادہ اسرائیل کا تحفظ یقینی بنانا

ہوگا۔ پاکستانی عوام اسرائیل اور یہودیوں کا نام سننے کو تیار نہیں' لہٰذا کسی پاکستانی حکمران کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اسرائیل سے تعلقات بنائے یا اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔

اس تاریخی پس منظر میں وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کی امریکہ یاترا کا جائزہ لیں۔ اس دورے سے کسی بریک تھرو کی توقع رکھنا انتہائی بھولا پن اور معروضی حالات سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ شریف حکومت کے نااہل اہلکاروں نے میڈیا کے ذریعہ اس دورہ سے عوام کی اتنی توقعات بڑھادی تھیں کہ اب چہار سو مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ ڈرون حملوں کے بارے میں ایک بات واضح رہے کہ عالمی رائے پہلے بھی ان کے اتنے حق میں نہیں تھی' اور اب تو ان حملوں کی مخالفت میں عالمی سطح پر پوری شدت سے آواز اٹھائی جارہی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی ان ڈرون حملوں کو جنگی جرائم کا حصہ قرار دیا ہے۔ چین' وینزویلا وغیرہ نے اقوام متحدہ میں اس حوالہ سے امریکہ کی خوب خبر لی ہے۔ بہت سے دوسرے ممالک کو خطرہ لاحق ہوا ہے کہ امریکہ اس معاملے میں شہ پاکر زیادہ آگے نہ نکل جائے اور دوسرے ممالک میں بھی وہ اس طرح کی کارروائیاں شروع نہ کردے' لہٰذا عالمی سطح پر تنقید کا نشانہ بننے کی وجہ سے امریکہ شاید ڈرون حملے کچھ عرصہ کے لیے معطل کردے۔ اس کا نواز شریف کی امریکہ یاترا سے کوئی تعلق نہیں۔

امریکہ نے اس دورے کے حوالے سے یہ انداز اختیار کیا ہے کہ ہماری غلام قوم کا ایک نمائندہ یا ان کا حکمران ہمارے حضور پیش ہوا ہے۔ پروٹوکول کے تمام تقاضے پاؤں تلے روند کر میاں نواز شریف کو امریکی وزیر خارجہ سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر حاضر ہونا پڑا۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے بارے میں بڑے استہزائیہ انداز میں کہا گیا کہ وزیراعظم نے عافیہ کے بارے میں بات کی تھی' ہم نے سن لی' ہم اس مسئلہ کو زیر بحث لانے کو تیار نہیں' البتہ ڈاکٹر شکیل آفریدی کو فوری طور پر رہا کرکے امریکہ بھیجا جائے۔ کنٹرول لائن پر بھارت کی اشتعال انگیزی کے باوجود پاکستان کو کہا گیا ہے کہ وہ کنٹرول لائن پر کشیدگی بند کرے۔ پاکستان کا میڈیا کشمیر کے حوالہ سے بہت شور شرابہ کررہا تھا کہ اس پر امریکہ سے باقاعدہ بات ہوگی' لیکن پاکستان کی یہ درخواست بری طرح رد کردی گئی کہ امریکہ کشمیر کے مسئلہ پر ثالث کا رول ادا کرے' اس لیے کہ بھارت اس کی اجازت نہیں دیتا۔ سول ایٹمی معاہدہ جو امریکہ نے گزشتہ سال بھارت کے ساتھ کیا تھا پاکستان کا مطالبہ تھا کہ یہ معاہدہ ہم سے بھی کیا جائے' اس کا مذاکرات کے دوران ذکر بھی نہیں آسکا۔ گزشتہ ماہ حکومت کی طرف سے آل پارٹیز کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں تحریک طالبان پاکستان سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ مکمل اتفاق رائے سے

ہوا تھا' لیکن اس دوران امریکہ نے ڈرون حملے کے ذریعے طالبان کے اس لیڈر کو شہید کردیا جو مذاکرات کے لیے تحریک طالبان کے دوسرے گروپس کو رضامند کررہا تھا' لہٰذا اعلامیہ میں امریکہ کا یہ کہنا کہ ہم حکومت پاکستان اور تحریک طالبان کے دوران مذاکرات کی حمایت کرتے ہیں' منافقت محسوس ہوتی ہے۔

اب آیئے اس بات کی طرف جس کا اعلامیہ میں کوئی ذکر نہیں' وہ یہ کہ اگلے سال نیٹو افواج کے انخلاء میں پاکستان امریکہ کی کیا مدد کرے گا۔ ہماری رائے میں سب سے زیادہ سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت ہوئی ہوگی' کیونکہ انخلاء کے لیے دوسرے راستے امریکہ کو بہت مہنگے پڑ رہے ہیں۔ ویسے بھی امریکہ کا روس وغیرہ سے تعلقات میں حالیہ بگاڑ اس معاملے میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہے کہ کہیں پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف اس حوالہ سے کوئی رعایت کا وعدہ تو نہیں کرآئے۔ اس حوالہ سے دوطرفہ خاموشی پراسرار ہے۔ ہماری رائے میں یہ وہ نکتہ ہے جس پر ہم اپنے تمام تر ضعف اور کمزوری کے باوجود سٹینڈ لے سکتے ہیں' کیونکہ افغانستان سے پرامن انخلاء امریکہ کے لیے ترجیح اول کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اس کی تمام تر قیمت چکانے کے لیے تیار ہوگا۔

ہماری رائے میں اگر امریکہ کو واپسی میں مدد کرکے پاکستان خصوصاً شمالی علاقہ جات' KPK' کراچی اور بلوچستان میں امن خرید سکتا ہے تو یہ سودا برا نہیں رہے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر امریکہ نیک نیتی سے یہ طے کرلے کہ پاکستان سے دہشت گردی کے خاتمے میں تعاون کرے گا اور عملاً ایسا کرے تو پاکستان چند ماہ میں امن کا گہوارہ بن سکتا ہے' کیونکہ بھارت اور افغانستان امریکہ ہی کی سرپرستی میں پاکستان کو دہشت گردی کا نشانہ بنارہے ہیں۔ تحریک طالبان کے وہ گروپس جن کا پاکستان دشمن ممالک سے کوئی تعلق نہیں ان سے کامیاب مذاکرات کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آخر میں ہم یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھیں گے کہ امریکہ کی پاکستان دشمنی کی چند مثالیں ہم نے تحریر کی ہیں' اس کی تفصیل تحریر کرنے سے ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے' لیکن امریکہ اس حوالہ سے صرف اس لیے کامیاب ہوا ہے کیونکہ ہمارے سیاست دان' سول اور فوجی بیوروکریسی (الا ماشاء اللہ) ذاتی مفادات اور اقتدار کے لیے امریکہ کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ وزیراعظم پاکستان کی امریکہ یاترا پر بہترین تبصرہ یہ کیا گیا ہے کہ ''انہیں سننے کے لیے نہیں سنانے کے لیے بلایا گیا تھا''۔ ۞۞۞

سانحۂ کربلا
شہیدِ مظلومؓ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی
عزیمت وعظمت کی صحیح تصویر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے
مناقب اور آپ کی مظلومانہ
شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا‘ آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد**

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں

کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص:85روپے اشاعت عام :55روپے
(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے‘ ماڈل ٹاؤن لاہور فون:3-35869501
email:maktaba@tanzeem.org

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں ”احیائے اسلام“ کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی

- ابوالکلامؒ ’امام الہند‘ کیوں نہ بن سکے؟
- ’حزب اللہ‘ اور ’دارالارشاد‘ قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا ”عبقری وقت“ کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا؟
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا اقامت دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے؟
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اِس دنیا سے رُخصت ہوئے؟

علماءِ کرام اب بھی ’متحد‘ ہو جائیں تو ’اسلامی انقلاب‘ کی منزل دُور نہیں!

○ فرائضِ دینی کا جامع تصوّر ○ رجم ○ عورت کی دیت اور دیگر مسائل پر ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مؤرّخ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

یہ کتاب کچھ عرصے سے آؤٹ آف پرنٹ تھی۔ اب اس کا نیا ایڈیشن جدید کمپیوٹر کمپوزنگ، خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو گیا ہے!

ضخامت 620 صفحات قیمت 500روپے

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون:3-35869501(042)
فیکس:35834000(042) ای میل:maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org